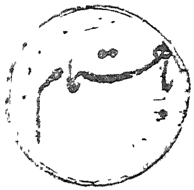
ان الدین عند اللہ الاسلام

از تازہ واردات حقائق آگاہ و معارف دستگاہ عارف باللہ مولانا مولوی حاجی حافظ

حضرت محمد انوار اللہ خان بہادر معین المہام امور مذہبی ممالک محروسہ سرکار عالی

حصہ ششم

مقاصد الاسلام



جناب مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

بہ تصحیح جناب مولوی محمد وزیر صاحب مصحح اول مجلس اشاعۃ العلوم

در عثمان پریس حیدرآباد دکن طبع شد

فہرست مضامین مقاصد الاسلام حصہ ششم

از نتائج افکار جناب مولوی محمد حمید شریف صاحب المتخلص بہ اثر

ہے عجب تالیف انوار الٰہ
مقصد اسلام ہے فیض عمیم
سال فصل اے اثر اس کا لکھو
نور ایماں ہے صراط مستقیم

فصل
۱۲
۳۲





الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

(اما بعد) مقاصد الاسلام حصہ پنجم کے اختتام میں عبد اللہ ابن سبا کا ذکر چھڑ گیا تھا اور ہم نے وعدہ کیا تھا کہ حصہ ششم میں اس کے مفصل حالات بیان کرینگے۔ لہذا ہم اس حصہ کو ابن سبا کے حالات سے شروع کرتے ہیں۔

تاریخ کامل جلد سیوم صفحہ (۵۹) میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلام ظاہر کر کے حجاز، بصرہ، کوفہ اور شام کا سفر اس غرض سے کیا کہ لوگونکو گمراہ کرے۔ مگر

اُسکا مکر کہیں نہ چل سکا۔ آخر مصر گیا اور وہاں کے لوگوں سے موافقت
پیدا کی۔ ایک روز بر سبیل تذکرہ کمال تعجب سے کہا کیا بات ہے کہ
عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی تصدیق لوگ فوراً کر لیتے ہیں
اور اگر کوئی اُن سے کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لائینگے
تو کوئی نہیں مانتا بلکہ تکذیب کرتے ہیں حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ جاہل کیا جانیں کہ
احادیث میں کیا وارد ہے۔ یہ موٹی بات اُن کی سمجھ میں آگئی اور قائل
ہوگئے کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں تشریف لائینگے
جب دیکھا کہ سادہ لوح قابو میں آگئے تو اُن سے کہا کہ دیکھو ہر نبی
کا ایک وصی ہوا کرتا ہے اور علی کرم اللہ وجہہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے وصی ہیں۔ اب خیال کرو کہ جو شخص نبی کی وصیت کو جاری نہ ہونے
دے اور وصی کو مغلوب کر دے کیا اُس سے بڑھکر بھی کوئی ظالم
ہو سکتا ہے ؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عثمان رضؓ حکومت کر رہے ہیں
اور علی وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بھی نہیں چلتی۔
چونکہ وہ اعلیٰ درجہ کا لکچرار تھا اپنی سحر بیانی سے ہر ایک بات پوری طور پر
ذہن نشین کر دی کہ عثمان رضی اللہ عنہ غاصب ہیں اور خلافت
علی کرم اللہ وجہہ کا ہی حق ہے جب اُسکو بھی لوگوں نے مان لیا

تو اُن سے کہا کہ وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق دلانا دین کی حمایت اور خدا و رسول کی خوشنودی کا باعث ہے۔ چونکہ یہ ایک سلطنت کا مقابلہ تھا لوگ حیران ہوئے کہ یہ انقلاب عظیم چند آفاقیوں سے کیونکر ہو سکے؟ کہا تدبیر یہ ہے کہ ہر ایک شہر میں لوگ بھیجے جائیں اور پہلا کام اُن کا یہ ہو کہ جو حکام عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر ہیں اُن کی کارروائیوں میں نکتہ چینی اور حرف گیری کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر زور دیں جس سے لوگوں کا میلان ہماری جماعت کی طرف ہو جائے۔ پھر یہ کریں کہ ہر ایک شہر میں جو لوگ جاتے ہیں وہاں کے حکّام کی شکایت دوسرے شہروں کے لوگوں کو لکھیں اور اچھی طرح اُس کی اشاعت کریں چنانچہ ایک جماعت اس کام پر مامور ہوئی اور بڑے بڑے شہروں میں لوگ روانہ کئے گئے اور کارروائیاں شروع ہو گئیں۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا نے جو بڑے بڑے شہروں میں دورہ لگایا تھا اُس سے بڑی غرض اُس کی یہ تھی کہ ہر شہر میں اپنے ہمخیالوں کی ایک ایک کمیٹی قائم کر دے۔ چونکہ یہودی ہر ملک میں موجود تھے۔ جن کا مقصود اصلی اسلام کو ضرر پہونچانا تھا اُس کے ساتھ موافقت کر کے مسلمانوں میں شریک ہو گئے۔ اور نہایت خوشی سے

ایک ایک کمیٹی بنالی اور اُس کا تعلق مصر کی صدر کمیٹی سے کیا گیا اسی وجہ سے
جو جماعت ہر ہر شہر کو روانہ کی گئی نہایت آسانی سے کامیاب ہوتی گئی
غرضکہ ہر ایک شہر میں دوسرے شہروں کے حکام کی شکایتیں اور مظالم
نہایت سرعت سے شایع کئے گئے جس شہر میں یہ خبریں پہنچتیں
وہانکے لوگ کہتے الحمد للہ ہم بڑی عافیت میں ہیں۔ اہل مدینہ کے پاس
جب ہر ایک شہر کے حکام کی ظلم وزیادتی کی شکایتیں پہونچیں اور
عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے بیان کیا تو آپ نے تفتیش حال
کے لئے ہر ایک شہر کو لوگ روانہ کئے اور ثابت ہوا کہ وہ سب
شکایتیں بے اصل محض ہیں۔ مگر اُس جماعت فتنہ انگیز کی کوشش
اور جانفشانی کا یہ اثر ہوا کہ تخمیناً ایک ہزار۔ اور بروایت ناسخ التواریخ
دو ہزار کا لشکر مصر سے اور اُسیقدر بصرہ سے اور اسیقدر کوفہ سے
مدینۂ منورہ کو روانہ ہوا اور یہ تینوں لشکر مدینۂ طیبہ میں جمع ہوئے۔
لشکر مصر ذی المروہ میں اور لشکر کوفہ، اعوص میں، اور لشکر بصرہ،
ذی اخشب میں فروکش ہوا۔ مصریوں کی خواہش تھی کہ عثمان رضی اللہ
عنہ کو معزول کرکے علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنائیں اور اہل بصرہ کا
میلان طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا اور اہل کوفہ کا میلان زبیر رضی اللہ
عنہ کی طرف۔ اہل مصر نے جب علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آکر اپنا

مقصود ظاہر کیا تو آپ نے اُنکو سخت جھڑکی دی اور فرمایا کہ سب صالحین جانتے ہیں کہ لشکر ذی مروہ۔ لشکر ذی اخشب اور لشکر اعوص پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اسیطرح بصرہ والے طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب گئے تو انھوں نے بھی یہی فرمایا اور کوفہ والونکو زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا ہر چند ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی اور ان لشکروں پر لعنت کرنے کا حال اُنکو سنا دیا مگر شقاوت کا کون علاج کر سکے آخر سب نے مل کر عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ انتہی ملخصاً۔

قاتلین عثمان پر لعنت

یہ واقعہ ناسخ التواریخ صفحہ ۵۲۴ میں بھی لکھا ہے مگر چونکہ یہ کتاب ان واقعات میں مذہبی رنگ کی ہے اسلئے اس لشکر کی خرابی اور ملعون ہونے کا حال جو علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ نے بیان کیا اُسکو ہمنے قلم انداز کر دیا بہر حال باتفاق حضرات شیعہ و سنی یہ تو ثابت ہے کہ ابن سبا یہودی تھا جسپر اہلبیت نے لعنت کی اور علی کرم اللہ وجہہ نے اُسکے جلانے کا حکم فرمایا تھا۔ اُس نے فتنہ انگیزی کر کے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کروا دیا جس سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ اور ایک سے دوسرا فتنہ پیدا ہوتا گیا۔

فتنۂ شہادت عثمان پر خطر سمجھا جاتا

عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اسلام میں نہایت پر خطر سمجھا جاتا تھا چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی کتاب الفتن میں روایت ہے جسکا ماحصل

یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خطرناک موج زن فتنہ کی خبر دی ہے کیا وہ تمھیں معلوم ہے؟ کہا ہاں، مگر آپ کو اُس سے کوئی تعلق نہیں، آپ کے اور اُس کے بیچ میں ایک دروازہ ہے جو بند ہے، فرمایا، کیا وہ دروازہ کھولا جائیگا، یا توڑا جائیگا؟ کہا توڑا جائیگا اور پھر کبھی بند نہو گا انتہی ملخصاً مطلب یہ کہ لوگ خلیفۂ وقت کو شہید کرینگے جس سے دروازہ فتنہ کا کھل جائیگا۔ اور ہمیشہ مسلمانوں میں فتنے برپا ہوا کرینگے۔ چنانچہ نہج البلاغہ صفحہ ۱۵۹ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو تقریر عثمان رضی اللہ عنہ سے کی ہے اُس سے بھی یہی ثابت ہے آپ فرماتے ہیں وانی انشدک

الله ان لاتکون اما م ھذہ الامۃ المقتول فانہ کان یقال یقتل

فی ھذہ الامۃ اما م و یفتح علیھا القتل والقتال الی یوم القیامۃ یعنی میں آپکو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کہیں آپ اس امت کے وہ امام نہ بنیں جو قتل کیا جائیگا کیونکہ یہ بات قدیم سے کہی جاتی ہے کہ اس امت میں ایک امام قتل کیا جائیگا اور اُس سے باہمی قتل وقتال کا دروازہ کھل جائیگا

اور قیامت تک مقاتلہ جاری رہے گا۔ انتہی۔ یہی روایت ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۵۱۲ میں بھی موجود ہے۔

دیکھئے علی کرم اللہ وجہہ کو بھی اس فتنہ کا خوف لگا ہوا تھا اور یہ سمجھے

خوف قتل عثمان رضی اللہ عنہ از علی رضی اللہ عنہ

علی رضی اللہ عنہ عثمان را امام برحق میدانستند

ہوئے تھے کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ قتل کیے جائیں تو مسلمانوں میں باہمی جنگ وجدال شروع ہو جائے گا۔

خصائص کبریٰ کی جلد دوم صفحہ ۱۲۴ میں یہ روایت ہے کہ جب عثمان رضی اللہ کے مکان کا محاصرہ کیا گیا، آپ بالاخانہ پر برآمد ہوئے اور باغیوں سے فرمایا، دیکھو اگر تم مجھے قتل کروگے تو پھر تم سے یہ نہ ہو سکیگا کہ سب ملکر نماز پڑھیں اور نہ اتفاق سے جہاد کر سکوگے اور نہ غنیمت تم میں تقسیم ہوگی، جب انہوں نے نہ مانا تو آپ نے اُن پر بد دعا کی۔ ان تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ فتنہ جس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی نہایت خطرناک تھا۔ جس سے اور فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ اور نیز فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے کہ اسکا بانی مبانی ابن سبا تھا جس کے یہودی ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اور یہ بھی فریقین کی کتابوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ اس فتنہ کی ابتدا مسئلہ وصی اور خلافت بلافصل سے ہوئی۔ ہر چند یہ مسئلہ علی کرم اللہ وجہہ کے مفید تھا۔ مگر بجائے اسکے کہ آپ کو اُس سے نفع حاصل ہوتا سخت صدمہ پہونچا اور اُس کا بُرا اثر پہلے پہل آپ ہی کی خلافت پر پڑا اس سے بھی ثابت ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے وقت میں ۳۴ھ ہجری تک کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ اس مسئلہ کو خلافت سے تعلق ہے۔ صرف اُس یہودی نے اس سال یہ مسئلہ

عوام الناس کے ذہن نشین کر کے یہ فتنہ برپا کیا۔ اب اس سے متعلق تھوڑے سے اور واقعات بھی سن لیجئے۔ یہ واقعہ اسلام میں عجیب جانگزا اور دلگداز ہے۔ تاریخ کامل کی جلد سیوم صفحہ ۶۷ میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ چالیس روز رہا اور اٹھارہ روز کے بعد تو یہ نوبت پہنچی کہ کھانا پانی آپ کا بند کر دیا گیا، کسی کی طاقت نہ تھی کہ باہر سے کوئی چیز اندر لیجا سکے ایک روز آپ نے اپنے بالاخانہ پر چڑھکر صحابہ سے پوچھا، کیا آپ لوگ جانتے ہو؟ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ میں تشریف لائے تو میٹھے پانی کی سخت تکلیف تھی، میں نے اپنے روپیہ سے بئر رومہ کو خریدا جو میٹھے پانی کا کنواں تھا اور مسلمانوں کا ڈول اُس میں ڈلوایا سب نے تصدیق کی، پھر فرمایا اب میری یہ حالت ہے کہ میٹھے پانی کو میں اور میرے عیال واطفال ترس رہے ہیں۔

ف: واقعات متعلقہ قتل عثمان رضہ

ف: محاصرہ مصاحب عثمان رض

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۳۸۵ میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کے بعد عمیر نے لاش مبارک کو اس زور سے ٹھوکر ماری کہ دو پسلیاں ٹوٹ گئیں اور لوگوں نے آپ کا گھر لوٹ ڈالا اس کے بعد عبدالرحمن بن ابی بکر اور ایک شخص تجہیز و تکفین کی غرض سے آپ کے گھر گئے دیکھا کہ باغیوں کی جماعت دروازہ پر

ف: بے حرمتی لاش عثمان رض

کھڑی ہے کسی کو اندر جانے نہیں دیتی تین روز تک آپ کی لاش کو دفن کرنے نہیں دیا اور اس قدر ذلیل کیا کہ ایک پاؤں آپ کا کتے کھا گئے تین روز کے بعد علی کرم اللہ وجہہ کی سفارش پر لاش کو دفن کرنے کی اجازت ملی پھر جنازہ کی یہ توہین کہ معمولی تختہ بھی نصیب نہوا کسی چیز پر ڈال کر لے جا رہے تھے جس سے ایک پاؤں جو باقی تھا لٹک رہا تھا اور جنازہ کو سنگسار کرتے جاتے تھے جب اس حالت میں جنازہ بقیع میں پہونچا تو کہا گیا یہ شخص مسلمان نہ تھا مسلمانوں کے قبرستان میں ہم اسے دفن کرنے ندیں گے آخر اوس مقام میں جو یہودیوں کے قبرستان کے بازو تھا بغیر غسل و کفن اور نماز جنازہ کے آپ کی لاش دفن کردی گئی انتہٰی ملخصاً۔

اب غور کیجئے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کوئی معمولی شخص نہ تھے اونکو اسلام میں اعلیٰ درجہ کی وجاہت حاصل تھی۔ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہوا دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں سبب دریافت فرمایا عرض کی کہ اس سے بڑھکر کیا مصیبت ہو کہ قرابت مصاہرت آپ سے منقطع ہوگئی فرمایا مت رؤ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے مرتی جاتیں تو میں ایک ایک تمھارے نکاح میں دیتا جاتا

یہانتک کہ سو پوری ہو جاتیں ابھی جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اُمّ کلثوم کو تمھارے نکاح میں دوں۔

علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا فرمایا وہ، وہ شخص ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے انکو ذی النورین کہتے ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ داماد ہیں جن کے ساتھ آپکی دو صاحبزادیوں کا نکاح ہوا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں متواتر چار روز کا فاقہ ہوا جب عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو کئی بوجھ آٹے، گیہوں اور کھجور کے اور تین سو درم فوراً روانہ کروئے یہہ روایت مفصلاً اوپر مذکور ہوئی۔

ایک بار کئی روز غلہ مدینۂ منورہ میں باہر سے نہ آیا اور یہانتک نوبت پہونچی کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کرنے لگے جس سے منافق خوش ہوتے تھے۔ آخر عثمان رضی اللہ عنہ غلہ کی تلاش میں نکلے اتفاقاً بقیع کی جانب غلہ کے اونٹ آرہے تھے پندرہ اونٹ غلہ سے لدے ہوئے آپنے خریدے اور اون میں سے بارہ اونٹ حضرت کی خدمت میں حاضر کئے حضرت نہایت خوشی سے دونوں ہاتھ اس قدر اونچے کئے کہ بغلوں کی بیاض نظر

آنے لگی ابو مسعود کہتے ہیں کہ اُس وقت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے جو دعائیں حضرت نے کیں کسی کے لئے کرتے ہوئے میں نے نہیں سنیں۔

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازو کا گھر خرید کرکے مسجد نبوی میں شامل کرے اوس کو خدائے تعالیٰ بخشدے گا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ گھر خرید کرکے مسجد میں شریک کردیا پھر ایک بار حضرت نے فرمایا جو شخص فلاں قبیلہ کا مربد یعنی کھجوریں اور غلہ سکھانے کی جگہ خرید کرکے مسلمانوں پر صدقہ کردے اوسکو خدائے تعالےٰ بخشدیگا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اوسکو خرید کرکے مسلمانوں پر صدقہ کردیا۔ پھر ایک بار حضرت نے فرمایا جو شخص جیش عسرت کا سامان کردے خدائے تعالیٰ اوس کو بخشدیگا عثمان رضی اللہ عنہ نے کل لشکر کا پورا سامان کردیا یہانتک کہ اسمیں ایک عقال بھی کم نتھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے وہانکا پانی کھاری اور خراب تھا صرف بئر رومہ کا پانی میٹھا تھا جس کی ایک مشک ایک مُد غلہ کے عوض میں دیجاتی تھی حضرت نے اسکے مالک سے فرمایا کہ جنت کے ایک چشمہ کے عوض میں وہ کنواں بیچدو چونکہ وہ غریب اور کثیر العیال شخص تھا راضی نہوا عثمان رضی اللہ عنہ نے

پینتیس ۳۵ ہزار درہم دیکر وہ کنواں خریدا اور مسلمانوں پر وقف کر دیا۔

ایک بار گرانی کی وجہ سے مسلمانوں کو فاقہ کشی کی نوبت پہونچی عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت سا آٹا اور گھی اور شہد خرید کر سب مسلمانوں کو کھلایا۔

ایک بار مدینۂ منورہ میں قحط ہوا نصارائے عرب نے ہرقل کو لکھا کہ یہ شخص جو نبوت کا دعوے کرتے ہیں۔ ان دنوں تباہی میں ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے مال ہلاک ہوگئے اگر تم کو اپنے دین کی پاسداری ہے اور مدد کرنا چاہتے ہو تو یہی موقع ہے اوس نے چالیس ۴۰ ہزار کا لشکر تیار کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا اور یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی تو آپ نے اطراف میں نامے لکھے اور ہر روز منبر پر تشریف رکھتے اور دعا میں کہتے کہ الٰہی! اگر یہ چند مسلمان ہلاک ہوجائیں تو دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ مسلمانوں کی مالی حالت اُس وقت ابتر تھی عثمان رضی اللہ عنہ نے شام سے غلہ لانے کے لئے تجارتی قافلہ تیار کیا تھا۔ اسلامی ضرورت کو دیکھکر عرض کی یارسول اللہ! دوسو ۲۰۰ اونٹ مع پالان وغیرہ سامان اور دو سو ۲۰۰ اوقیے میں گذرانتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمد للہ کہکر تکبیر کہی اور سب مسلمان اتنے خوش ہوئے کہ ہر طرف سے تکبیر کے نعرے بلند ہوئے

پھر دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کی رغبت دی۔ عثمان رضی اللہ عنہ اوٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ اور دو سو (۲۰۰) اونٹ اور دو سو (۲۰۰) اوقیے گذرانتا ہوں اُس پر ہر طرف سے تکبیر کے نعرے بلند ہوئے اسی طرح متفرق مجلسوں میں نو سو پچاس (۹۵۰) اور بعض روایتوں میں نو سو ستر (۹۷۰) اونٹنیاں اور تیس (۳۰) گھوڑے اور سات (۷۰۰) سو اوقیے سونا اور دس ہزار (۱۰۰۰۰) دینار نقد گذرانے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب دس ہزار (۱۰۰۰۰) دینار حضرت کے روبرو ڈالے گئے آپ اون کو نہایت خوشی سے نیچے اوپر کرتے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے عثمان! خدا نے تمہارے ہر قسم کے گناہ خواہ چھپے ہوں یا ظاہر آئندہ ہونے والے سب کی مغفرت کر دی پھر فرمایا کہ اس کے بعد عثمان جو چاہیں کریں کچھ پرواہ نہیں کوئی امر اون کو ضرر نہ دے گا۔

یہ سب روایتیں کنز العمال کی کتاب الفضائل میں مذکور ہیں اور ان کے سوا بہت سے فضائل ہیں جن کا ذکر موجب تطویل ہے

ان روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ نہایت فیاض اور اسلام اور مسلمانوں کے نہایت خیر خواہ تھے۔ اسی فیاضی نے آپ کو شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی اجازت دلوا دی کہ آئندہ جو چاہیں کریں کوئی

بات قابل مواخذہ نہ ہو گی۔ اب غور کیجئے کہ جب آپ کی ذاتی محدود آمدنی پر یہ بخشش ہو تو ملک شام، عراق، اور مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ کا خراج آپ کے روبرو آتا ہوگا تو کس قدر بے باکانہ آپ کی بخششیں ہوتی ہونگی۔ یہی وجہ تھی کہ عموماً اہل اسلام آپ کی خلافت میں نہایت مرفہ الحال ہو گئے تھے۔ جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔

تاریخ الاسلام میں لکھا ہے کہ باوجود اس دولت وخلافت کے آپ کے مزاج میں اتنی انکساری تھی کہ کبھی کبھی مسجد ہی میں سو رہتے لوگوں کو اچھے اچھے کھانے کھلاتے اور خود روٹی اور سرکہ پر قناعت کرتے تھے۔

تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ جب ملک خراسان اور نیشاپور اور سرخس اور مرو اور بیہق وغیرہ سیر حاصل ملک آپ کے وقت میں فتح ہوئے اور مال بکثرت ہر طرف سے آنے لگا تو آپ کی سخاوت یہانتک پہونچی کہ لاکھ بدرے تک دئے جس میں ہر بدرہ چار ہزار اوقیہ کا تھا۔

اب دیکھئے کہ جب آپ کی فیاضیاں اس حد تک پہونچی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کے صلہ میں فرمادیا کہ جو چاہیں کریں جس طرح اہل بدر کی حسن کارگذاری کے صلہ میں بھی یہی ارشاد فرمایا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو صرف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ایک ارشاد ان کے محبوب قلوب ہونے کے لئے کافی ووافی تھا علاوہ اس کے تشنگان آب شیریں جو تقریباً کل صحابہ تھے اُن کو ہمیشہ کے لئے سیراب کرنا اور بحسب ضرورت اُن کو عمدہ عمدہ کھانے کھلانا وغیرہ احسانات کس قدر ممنونیت کے باعث ہوئے ہونگے۔ پھر بارہ سال کی مدت خلافت میں اُن فیاضیوں نے جن سے ہر قریب وبعید برابر مستفید تھا کس قدر مسلمانوں کو ممنونِ احسان بنایا ہوگا۔ چونکہ یہ مسلم ہے کہ الانسان عبید الاحسان تو ایسے محسن کے مقتول ہونے کا کس قدر صدمہ اُن پر ہوا ہوگا اور قتل بھی کیسا کہ جس میں ذلت کی انتہا ہوگئی اس سے زیادہ کیا ہو کہ کتوں نے ایک پاؤں کھالیا جنازہ سنگسار کیا گیا جنازہ کی نماز تک پڑھنے نہ دی مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن ہونے نہ دیا ایسے محسن کی یہ حالت ہو تو کہئے کہ اہل اسلام جو آپ کے جود و نوال سے مدتوں فیضیاب رہے اُن کی کیا حالت ہونی چاہئیے۔ یہی اسباب تھے جنھوں نے مسلمانوں کے دلوں میں انتہا کا جوش پیدا کر دیا تھا چنانچہ ناسخ التواریخ کی جلد سیوم کے صفحہ ۱۴۱ میں لکھا ہے کہ جب شرجیل کو باور کرایا گیا کہ علی کرم اللہ وجہہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ تو علی الصباح معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس

آئے اور کہا "تو خلیفہ عثمانی و عامل او و پسر عم اوئی و ما از جملہ مومنانیم و دست ما رہین بیعت عثمان است اگر آنمردی کہ بعلی ابوطالب وکشندگان عثمان قتال توانی کرد و خون عثمان را توانی جست حکم تو بر ما روان است و پذیرائی فرمان تو بر ما واجب وگرنہ ترا از عمل باز داریم و این عمارت با دیگرے گذاریم و در خدمت او بعلی جہاد کنیم چند انکہ خون عثمان را بجوئیم وگرنہ جان بر سر این کار بذل کنیم" انتہی۔

دیکھئے کس قدر جوش ان کی اس تقریر سے ٹپک رہا ہے یہانتک مستعد ہیں کہ اگر معاویہؓ جنگ میں سستی کریں تو ان کو معزول کر کے دوسرے شخص کو حاکم مقرر کر لیں جو پوری طرح سے خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ لے سکے ان کو اس معاملہ میں مسلمانوں پر بھروسہ اور اطمینان تھا کہ دو سلطنتوں کا مقابلہ ان کو آسان نظر آیا ان لوگوں کے جوش کا حال اس روایت سے بھی معلوم ہو سکتا ہے جو نہج البلاغہ کی جلد اول صفحہ ۹۲ میں لکھی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں

ایھا الشاھدۃ ابدانھم الغائبۃ عقولھم المختلفۃ اھواؤھم المبتلی بھم امراؤھم صاحبکم یطیع اللہ وانتم تعصونہ وصاحب اھل الشام یعصی اللہ وھم یطیعونہ لوددت واللہ ان معاویۃ صارفنی بکم صرف الدینار بالدرھم فاخذ منی عشرۃ منکم واعطانی رجلا منھم انتہی

یعنی اے لوگو! تم وہ ہو کہ تمہارے اجسام تو حاضر ہیں مگر عقلیں غائب۔ تمھاری خواہشیں مختلف ہیں تمھارے امراتمھاری وجہ سے آفتوں میں مبتلا ہیں باوجودیکہ میں خدا کی اطاعت کرتا ہوں مگر تم میری نافرمانی کرتی ہو اور معاویہؓ خدا کی نافرمانی کرتے ہیں اُس پر بھی اہل شام اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر معاویہؓ مجھ سے بیع صرف کا معاملہ کریں جس طرح صرّاف ایک دینار کے بدلہ کئی درہم لیتے ہیں۔ اسیطرح معاویہؓ تم میں سے دس دس کو لیکر اپنے لشکر کا ایک ایک آدمی بھی مجھے دیں تو میں نہایت خوشی سے قبول کرلونگا انتہی۔ دیکھئے اہل شام کا جوش کسقدر بڑھا ہوا تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کو ثابت ہو گیا تھا کہ شامیوں کے جوش و ولولے کا دسواں حصہ بھی اپنی فوج میں نہیں ہے۔

اور اس روایت سے بھی اہل شام کا جوش ظاہر ہے جو ناسخ التواریخ کی جلد سیوم کے صفحہ ۱۷۲ میں ہے کہ سعید بن قیس عرض کردیا امیر المومنین گفت من حاضرم علی علیہ السلام مصحف را بدو داد و پیش سپاہ معاویہؓ آمد و اے مردمان طغیان مورزید و خدا اے را بے فرمانی مکنید امیر المومنین شمارا بدانچہ دریں کتاب است دعوت میکند وشمارا براہ راست میخواہد از خدا بترسید و براں راہ روید کہ مہاجرین و انصار رفتند مردم شام سخنان او را استوار نداشتند و او را باسیف وسنان پارہ پارہ

کردند" انتہی۔

قرآن کے حکم کو قبول کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے مگر اس موقع میں شامیوں کے غصہ کی حالت یہ تھی کہ از خود رفتہ تھے خاص وجہ اس کی یہ تھی کہ بلوائی جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے ہزارہا تھے جیسا ناسخ التواریخ کے صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ جب ابوہریرہؓ اور ابوالدرداؓ نے معاویہؓ کی طرف سے علی کرم اللہ وجہہ کو پیام پہونچایا کہ اگر آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک نہ تھے تو ان کے قاتلین کو ہمارے حوالہ کردیجئے اُس وقت بیس ہزار سپاہی جرار سلح پوش کھڑے ہوگئے کہ ہم سب قاتلین عثمان ہیں۔ چنانچہ عبارت اُس کی یہ ہے "ایں وقت بست ہزار کس از لشکر علی علیہ السلام کہ محفوف در آہن و فولاد بودند وجز چشم ایشاں ویدار نمی گشت خویشتن را بر ابوہریرہؓ و ابوالدرداؓ عرض دادند کہ مائیم کشندگان عثمانؓ و بدانچہ امیرالمومنین علیؓ درحق ما حکومت فرماید و حکم براند گردن نہادہ ایم ورضا دادہ ایم" انتہی۔

غرضکہ فوج کا ایک بڑا حصہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں انہیں بلوائیوں کا تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے۔ اہل شام پر سخت ناگوار ہوا کہ انہیں لوگوں نے خلیفۂ مظلوم کو بے عزت اور ذلیل کرکے قتل کیا۔ پھر حکمت علی سے علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں

بیس ہزار قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ در لشکر علی رضی اللہ عنہ بود

اشتباہ علماے لشکر علی علیہ السلام پر حقیقت اسلام

شریک ہوکر وہ چاہتے ہیں کہ طرفداران خلیفۂ مظلوم پر بھی غالب آجائیں اور خلیفۂ مظلوم کا خون ہدر کردیں۔ یہی اسباب تھے کہ مسلمانوں کو خطائے اجتہادی کا موقع ملگیا اگر یہ مفسد لوگ حضرت کے لشکر میں شریک نہوتے تو مسلمانوں کو نہ جوش پیدا ہوتا نہ جنگ کی نوبت آتی سب آپ کی خلافت کو تسلیم کرلیتے ان کی شرکت کا یہاں ایک اثر ہوا کہ خود علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں جو اہل علم تھے ان کو اشتباہ واقع ہوا کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ چنانچہ ناسخ التواریخ کے صفحہ ۴۲۳ میں لکھا ہے۔ سی ہزار از قاریان قرآن از لشکرگاہ علیؓ و معاویہؓ یکسوی شدند وجداگانہ خیمہا برافراختند و درع و جوشن بپوشیدند و حد و دسیف و سناں بزدودند وانگاہ سخن بریں نہادند کہ چند تن از احبار و اخیار ایشاں بین الصفین آمدو شدن گیرند و موجب ایں مشاجرت و مبارزت را بین المسلمین مکشوف دارند و آنسوئے کہ برحق وانند پیوستہ گردند انتہی۔

جب خود علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کے علما کو یہ اشتباہ ہو تو کہئیے کہ اہل شام جو اصل واقعہ سے واقف ہی نہ تھے ان کو کس قدر اشتباہ ہونا چاہئیے خصوصاً اس وجہ سے کہ بظاہر اُن کے شبہ کو قوی کرنے والا ایک امر بدیہی موجود تھا کہ بیس ہزار قاتلین عثمان رضؓ

علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شریک تھے اور تعجب نہیں کہ بعض معاونین وانصار بھی انہی کی وجہ سے جنگ میں مساہلت اور بے اعتنائی کرتی ہوں جیساکہ ناسخ التواریخ کے صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہے کہ ایک روز صفین میں گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے یہاں تک کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین علیہ السلام کی فکر ہوئی اور تلاش میں ہر طرف گھوڑا دوڑایا جب ملاقات ہوئی تو عرض کی کہ اسوقت متفقہ حملہ کرنا مناسب ہے لشکر کو حکم دیجئے فرمایا ذرا نزدیک آؤ جب وہ بہت نزدیک ہوئے تو آہستہ سے فرمایا ویحک ان عامۃ من معی یعصینی وان معاویۃ فیمن یطیعہ ولا یعصیہ یعنی میرے ساتھ والوں کی عموماً یہ حالت ہے کہ وہ میری فرماں برداری نہیں کرتے اور معاویہؓ ایسے لوگوں میں ہیں کہ سب اُن کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور کوئی اُن کی نافرمانی نہیں کرتا انتہیٰ۔

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگ لشکر کے مخالف تھے کیونکہ ممکن نہیں کہ صدق دل سے بیعت کرنے کے بعد خلیفۂ برحق کی نافرمانی اور عصیان کریں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خطوں پر لشکر اسلام جو جانبازیاں کرتا تھا اُس کا عشر عشیر علی کرم اللہ وجہہ کی ہمراہی کے لوگوں نے

نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ اشتباہی حالت میں تھے ان نافرمانوں کی صحبت کا اُن پر اتنا اثر پڑ گیا تھا کہ وہ بھی نافرمان ہو گئے تھے۔ نہج البلاغہ کے صفحہ ۴۰ میں ہے کہ علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اقوم فیکم مستصرخا واناد یکم متغوثاً فلا تسمعون لی قولا ولا تطیعون لی امرا یعنی تم میں کھڑا ہوتا ہوں اور چیختا ہوں اور پکار پکار کر کہتا ہوں کہ کوئی میرا فریاد رس اور مدد کرنے والا ہے؟ مگر تم لوگ نہ میری بات سنتے ہو نہ میری اطاعت کرتے ہو انتہیٰ۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ ان کو حضرت کی توہین اور تذلیل مقصود تھی کیونکہ عین جنگ میں لشکر کی یہ حالت ہو کہ افسر اعلیٰ کتنا ہی چیخے اور پکارے کوئی اُس کی فریاد رسی نہ کرے تو کیا سمجھا جائے گا کہ وہ لشکر افسر کا خیر خواہ ہے؟ ہرگز نہیں۔

نہج البلاغہ میں ایک خطبہ آپ کا نقل کیا ہے۔ جس میں یہ عبارت بھی ہے احمد اللہ علی ما قضی من امر وقدر من فعل وعلی ابتلائی بکم ایتھا الفرقة التی اذا امرت لم تطع واذا دعوت لم تجب ان امھلتم خضتم وان حوربتم خرتم وان اجتمع الناس علی امام طعنتم وان جئتم الی مشاقة نکصتم یعنی اے لوگو تمہاری یہ حالت ہے کہ جب میں کوئی حکم کرتا ہوں تو تم اطاعت

نہیں کرتی اور جب بلاتا ہوں تو جواب نہیں دیتے اور جب مہلت دیتا ہوں تو باطل امور میں خوض کرنے لگتے ہو اور جب جنگ میں ہوتے ہو تو بزدلی کرتے ہو اور جب لوگ کسی امام پر اتفاق کرتے ہیں تو تم اسکو مطعون کرتے ہو اور جب کسی مشقت کے کام میں شریک ہوتے ہو تو الٹے پاؤں پھر جاتے ہو اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابن سبا کی کمیٹی کے ممبر تھے ورنہ کیا معنی کہ اس قدر مخالفت کی جائے۔

نہج البلاغہ کے صفحہ ۱۲۷ میں لکھا ہے قد جمع الناس وحضهم على الجهاد فسكتوا مليا فقال عليه السلام امخرصون انتم؟ فقال قوم منهم يا امير المومنين ان صرت صرنا معك فقال عليه السلام ما بالكم لا سددتم لرشد ولا هديتم لقصد افي مثل هذا ينبغي ان اخرج انما يخرج في مثل هذا رجل ممن ارضاه من شجعانكم وذوي باسكم ولا ينبغي لي ان ادع المصر والجند وبيت المال وجباية الارض والقضاء بين المسلمين والنظر في حقوق المطالبين یعنی کسی لڑائی کے موقع میں آپنے لشکر کے لوگوں کو جمع کیا اور جہاد کی آمادگی کے لئے خطبہ پڑھا جب

بہت دیر گذری تو فرمایا کیا تم لوگ گنگے ہوگئے اُن میں سے ایک شخص نے کہا یا امیر المومنین! اگر آپ چلیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہولیں گے فرمایا تم لوگوں کی کیسی حالت ہے ذرا سمجھتے نہیں کیا ایسی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں بھی میں ہی نکلوں؟ اسکے لئے اکا دکا جوانمرد شخص افسر ہو تو کافی ہے اور مجھے حفاظت بیت المال وغیرہ امور کے لئے شہر میں رہنے کی ضرورت ہے۔

دیکھئے ایک معمولی جنگ پر جانے کے لئے خلیفۂ وقت اپنی زبان سے فرما رہے ہیں اور کوئی جواب تک نہیں دیتا۔ اور بعد فضیحت وملامت کے جواب دیا بھی تو ایسا کہ جب تک آپ اپنی ذات سے دشمن کے مقابل نہوں ہم نہ جائیں گے کیا ایسے لوگ شیعہ ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

وجدان صحیح تو یہی گواہی دیتا ہے کہ وہ لوگ ابن سبا کے تربیت یافتہ تھے جسکو منظور تھا اہل بیت کو بدنام اور ذلیل کرے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی سمجھ گئے تھے کہ یہ کمبخت بظاہر شیعہ ہیں مگر درباطن دشمن ہیں۔ چنانچہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو نہج البلاغہ کے صفحہ ۱۱۰ میں لکھی ہے واللہ لولا رجائی

الشہادۃ عند لقائی العدو ولو قد حمّ لی لقاوہ لقربت رکابی ثم شخصت عنکم فلا اطلبکم ما اختلف جنوب وشمال انہ لاغناء فی کثرۃ عددکم مع قلۃ اجتماع قلوبکم یعنی خدا کی قسم میں تم میں صرف اس امید پر ہوں کہ شاید کسی روز دشمن سے مقابلہ ہو جائے اور شہادت نصیب ہو اگر یہ خیال نہوتا تو سوار ہو کر تم سے دور چلا جاتا اور کبھی تمکو طلب نکرتا۔ اب کہئے کیا اس ارشاد کے بعد بھی یہ خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت اون کو اپنے شیعہ سمجھتے ہوں گے؟ کیا اپنے دوستوں اور جان نثاروں سے بھی کوئی متنفر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ بات آپنے ایکبار نہیں متعدد مجمعوں میں فرمائی جیسا کہ نہج البلاغہ کی جلد دوم کے صفحہ ۳۶ میں لکھا ہے لولا طمعی عند لقائی عدوی فی الشہادۃ وتوطینی نفسی علی المنیۃ لاحببت ان لا ابقی مع ہولاء یوماً واحداً ولا التقی بہم ابداً یعنی ان لوگوں کے ساتھ رہنے پر مجھے یہ طمع مجبور کر رہی ہے کہ شاید کبھی دشمن سے مقابلہ ہو جائے اور شہادت نصیب ہو اگر یہ خیال نہوتا تو ان لوگوں کے ساتھ ایک روز رہنا یا کبھی اون سے ملاقات کرنا

ہرگز پسند نہ کرتا - انتہیٰ - غور کیجیے کہ بار بار آپ کے اس قسم کے ارشادات
کیا اس بات پر دلیل نہیں ہیں کہ وہ لوگ شیعہ نہ تھے بلکہ مخالف تھے
جن سے آپ تنگ آ گئے تھے - اور کس قدر مجبور ہو گئے تھے - کہ
اپنے خلاف شان یہ بات فرما رہے ہیں - جو نہج البلاغہ کے صفحہ ۲۲۹
میں ہے لقد کنت امس امیرا فاصبحت الیوم ماموراً
وکنت امس ناھیا فاصبحت الیوم منھیاً یعنی کل کے دن میں امیر تھا
اور آج یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ مامور ہوں اور کل میں
منع کرتا تھا اور آج تمہارے باعث لوگ مجھی کو منع کرنے لگے انتہیٰ
یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ فی الحقیقت آپ اُن لوگوں کے مامور اور زیر حکومت
بن گئے تھے - بلکہ اُن لوگوں نے خلافت کی کسر شان کر دی تھی جس
سے مقصود یہ تھا کہ مخالفین پر ظاہر ہو جائے کہ آپ میں معاذ اللہ
خلافت کی لیاقت ہی نہیں کیا ایسے لوگ شیعہ کہلانے کے مستحق
ہیں ؟ ہرگز نہیں اسی وجہ سے باوجودیکہ آپ نہایت حلیم اور رحمدل تھے - مگر
اُن پر بد دعا کی جیسا کہ نہج البلاغہ صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے اللھم
انی قد مللتھم وسئمتھم وسئمونی فابدلنی بھم خیرا
منھم وابدلھم لی شرا منی اللھم مث قلوبھم کمایماث
الملح فی الماء یعنی یا اللہ! میں نے انکو تھکا دیا اور انہوں نے بھی مجھے

تھکا دیا اب اون کے بدلے میں مجھے اون سے بہتر لوگ دے اور اُن پر میرے بدلے برے حاکم کو مسلط کر یا اللہ! اون کے دلوں کو اس طرح گلا یو جیسے پانی میں نمک گلتا ہے انتہی۔ اب کہئے کیا یہ بددعا آپنے اپنے جاں باز شیعہ کو دی ہوگی؟ ہرگز نہیں اُن کے دلوں کو تباہ کرنے کے لئے جو بد دعا کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اون کی دلی خواہشوں پر مطلع تھے کہ وہ آپ کو بدنام کرنے کی خواہش سے آپکے لشکر میں شریک ہوگئے تھے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ منافق تھے جن کا سرغنہ ابن سبا تھا کیونکہ ہمیں طرفین کی روایتوں سے معلوم ہو گیا کہ اس انقلاب عظیم کا محرک اور اس فتنہ کا بانی وہی تھا پھر جب یہ فتنہ اس قدر موج زن ہوا کہ صرف جنگ جمل اور صفین میں ایک لاکھ اونتیس ہزار پانسو مسلمان غرقاب بحر فنا ہوے جیسا کہ ناسخ التواریخ سے ظاہر ہے تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اوس نے ایک بڑی جماعت منافقوں کی بنالی تھی جسکی لگاتار کوششوں سے مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے تفرقہ پڑگیا اور لاکھوں مسلمان قتل ہوئے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسوقت کل منافق حضرت امیرالمومنین ہی کی طرف تھے اس لئے کہ خلیفۂ برحق اوس وقت آپ ہی تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے وقت صحابہ میں منافق شامل تھے اوسوقت وہ دار الامارت میں خلیفۃ المسلمین کے ساتھ تھے جو عین معرکوں کے وقت بیٹھے ہو گئے تاکہ امیر المومنین خصم کے مقابلہ میں ذلیل ہوں۔ جس طرح غزوہ احد کے روز منافق لشکر اسلام میں شریک ہو کر عین معرکہ کے وقت بھاگ گئے تھے جس سے بعض مسلمانوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ غزوہ احد کے روز لشکر اسلام میں ایک ہزار آدمی تھے اون میں ثلث منافق تھے جو بھاگ گئے اور اون کا نفاق ثابت ہو گیا۔ اسیطرح حضرت امیر المومنین کے لشکر میں ثلث یا اوس سے بھی زائد منافق ہوں تو کیا تعجب بلکہ روایات نہج البلاغۃ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً کل منافق تھے اسلئے کہ کل لشکر سے حضرت نے اپنا ملال اور بیزاری ظاہر کر کے اونکے حق میں بد دعائیں کیں۔ چونکہ یہ لوگ باوجود شیعہ کہلانے کے دل میں عداوت رکھتے تھے اس لئے اون کے دل کی تباہی کیلئے بد دعا کی جس طرح آپ کو خدا کہنے والی جماعت کو آپ نے جلا دیا تھا۔

غرضکہ ابن سبا کا تربیت یافتہ اور ہمخیال ایک لشکر کثیر حضرت امیر المومنین کے لشکر میں ضرور شامل تھا جس نے تمام لشکر کو تباہ کیا اور باوجود اسکے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شجاعت میں نظیر نہیں رکھتے تھے او

شیعہ جاں باز بھی بہت موجود تھے مگر اون کی رفاقت کی نکبت سے فتح نہو سکی تدبیر اور ہوشیاری اسے کہتے ہیں کہ ابن سبا نے سب کچھ کیا مگر کسی کو احساس تک نہیں۔ اس کے مناسب حال ایک حکایت سنی گئی کہ شیطان سے کسی کو محبت ہوگئی تھی ایک روز فتنہ انگیزیوں کا ذکر آگیا کہا چلو ہم تمہیں ایک تماشہ دکھلائیں ایک بقال کی دوکان پر اوسے لے گیا اور تھوڑا سا گڑ لے کے دیوار پر لگا دیا اور دونوں دور جا کر بیٹھے گڑ پر مکھیاں جمع ہوئیں مکڑی نے اون پر جست کی چڑیا نے مکڑی پر حملہ کیا کہیں بلّی بھی چڑیا تاک میں بیٹھی ہوئی تھی فوراً اوس کا شکار کر لیا کسی کا شکاری کتا بھی وہاں تھا اوس نے بلی کو پھاڑ کھایا۔ بلّی کسی کی پلی ہوئی تھی اتفاقاً وہ بھی وہاں موجود تھا اوس نے کتے کو مار ڈالا کتے کے مالک کو خبر پہونچی وہ دوڑا اور اوس شخص کو قتل کر ڈالا مقتول کے قرابتداروں کو خبر ہوئی وہ فوراً مسلح ہو کر آن پہونچے اودہر قاتل کے طرفدار بھی جمع ہوگئے اور طرفین میں خوب کشت وخون اور خانہ بر اندازیاں ہوئیں یہ تماشہ دیکھکر دونوں چلے گئے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ گڑ کا ٹپکا لگانے والا کون تھا؟ ابن سبا منافق بھی شیطان سے کم نہ تھا مصر میں بیٹھے بیٹھے چند مسئلے چھیڑ دئے اور مسلمانوں کی خونریزیوں کا تماشہ دیکھا کیا ہر چند

ایسے مفسدوں کا روپوش ہونا ایک لازمی امر ہے مگر وجدان صحیح بھی عجیب نعمت عظمیٰ ہے کہ آثار و قرائن سے اون کو گرفتار کر ہی لیتا ہے۔ دیکھئے طبیب حاذق آثار و قرائن سے بیماری کو مشخص کر کے یہ حکم لگا دیتا ہے کہ مختلف اعضا اور مقامات میں جو فساد و اختلال پیدا ہوا ہے فلاں مفسد کا اثر ہے جو بیمار و طبیب سے روپوش ہے۔

ابن سبا نے چونکہ یہودی تھا چند مسئلے اپنے دین کے مسلمانوں میں اس غرض سے شایع کئے کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جائے منجملہ اُن کے ایک مسئلہ رجعت ہے خاص یہود کا عقیدہ ہے کہ مرے ہوے بزرگ لوگ دنیا میں رجوع کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ملل و نحل میں شہرستانی رحمہ نے یہود کے عقائد میں لکھا ہے کہ "اُن کا عقیدہ ہے کہ ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام نے حسد سے قتل کیا اس لئے کہ یہود موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ہارون علیہ السلام کی طرف مائل تھے اگرچہ کہ وہ قتل ہوے مگر پھر دنیا میں رجعت کریں گے اور بعض کا عقیدہ ہے کہ وہ مرے نہیں غائب ہو گئے ہیں۔ وقت مقررہ پر پھر آئیں گے" انتہیٰ۔

ابھی معلوم ہوا کہ ابن سبا نے اسی مسئلہ سے ابتدا کی اسطرح

مسئلۂ رجعت

کہ عیسیٰ علیہ السلام کا جب دوبارہ آنا ثابت ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُن سے افضل ہیں اون کی رجعت کرنے میں کیا تامل۔ جب یہ مسئلہ اپنے اتباع میں اوس نے شائع کیا اور ایک جماعت کثیرہ اوس کی قائل ہوگئی جو علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں تھی تو بعد والے لوگ بھی خوش اعتقادی سے قائل ہوگئے کہ رجعت ممکن ہے کیونکہ گو وہ منافق تھے مگر شیعہ کہلاتے تھے اور جس طرح قائلین الوہیت علی کرم اللہ وجہہ مرتے دم تک آپ کی محبت کا دم بھرتے تھے ان کی بھی یہی حالت تھی غرضکہ بعد والوں کو اس قسم کے مسائل میں التباس ہوا اور یہ خیال کرلیا کہ اصلی شیعہ رجعت وغیرہ کے قائل ہیں۔ ناسخ التواریخ جلد سوم صفحہ ۱۶۷ میں لکھا ہے ''اما ابن عباس وجماعتے از اصحاب عرض کردند کہ یا امیر المومنین عبداللہ بن سبا خاصہ از کردہ پشیمان گشت واور اشفاعت کردند فرمود اور امعفو میدارم بشرطیکہ در کوفہ سکون اختیار نکند گفتند کجا شود فرمود در مدائن پس عبداللہ بن سبا از کوفہ ہجرت کرد و در مدائن اقامت کرد تا امیر المومنین علیہ السلام شہید گشت ایں وقت دیگر بارہ عقیدت خویش آشکار کرد وآں سخنہا اعادت نمود جماعتے دعوت اورا اجابت

گروہے دور گرد او انجمن شدند و عبداللہ بن سبا بانگ درداد و گفت سوگند باخدائے اگر مغز و دماغ او را درہفتاد صرہ در نزد ما حاضر کنند مید انیم کہ اونمردہ است و ہرگز نمیرد تاعرب را بیک چوب نراند بالجملہ عبداللہ بن صبرہ و عبداللہ بن عمر وکندی و گروہے بزرگ درگرد عبداللہ بن سبا فراہم شدند و سخن ایشاں در بلاد و امصار پراگندہ گشت انتہا

دیکھئے اس عبارت سے ثابت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کی بھی رجعت کا وہ قائل تھا چنانچہ اسی بنا پر بہت سے فرقے رجعت کے قائل ہوگئے۔ ان واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن سبا کے خیالات کا اثر پہلے ملک ایران پر پڑا۔ کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ نے اوسے اخراج کرکے مدائن کو روانہ فرمادیا تھا اور مدائن قدیم سے ملک ایران کا پایۂ تخت اکثر رہا ہے پھر علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں تو وہ ساکت تھا مگر آپ کی شہادت کے ساتھ ہی اوس نے ایک بڑی جماعت بنالی اور اپنے خیالات کی اشاعت شروع کردی۔

اب غور کیجئے کہ جب وہ ہزارہا منافق ابن سبا کے تربیت یافتہ جو حضرت کے جانی دشمن تھے جن کے حق میں آپ نے بددعائیں

کیں اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے لوگوں میں ابن سبا کے اختراعی مسائل شائع کرتے ہوں گے۔ اور یہ مستقل بڑی جماعت جو ابن سبا نے اشاعت مذہب کے لئے تیار کر لی تھی مستقل طور پر کارگذار ہو گی۔ اور سب کا اصول ایک ہی تھا کہ ہر غرض و غایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کرام کی محبت و عظمت پیش کر رہے ہیں تو کہئے کہ عوام الناس کس طرح خوش اعتقادوں کے نمبر اول میں شریک ہونے کو سعادت سمجھتے ہوں گے۔ چنانچہ اب بھی مشاہد ہے کہ قرآن و حدیث میں جو کھلے کھلے اعتقادات ہیں اگر بیان کئے جائیں تو سوائے معدودے چند کے وہاں کوئی نہیں جاتا بخلاف اس کے توحید وجودی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی الوہیت جہاں بیان ہوتی ہے وہاں عوام الناس کا اتنا مجمع ہوتا ہے کہ بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی۔ حالانکہ جن حضرات نے یہ مسلک اختیار کیا ہے وہ صاف لکھتے ہیں کہ نہایت خطرناک طریقہ ہے اگر فرق مراتب اچھی طرح نہ کیا جائے تو آدمی زندیق ہو جاتا ہے چنانچہ مولانا جامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اے بردہ گماں کہ صاحب تحقیقی — واندر صفت صدق و صفا صدیقی
ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد — گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

دیکھئے ابن سبا نے مسئلہ رجعت جو اختراع کیا اوس میں سے کتنے فرقے ہو گئے ملل و نحل سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ میں جو فرقہ مختاریہ ہے اوسکا اعتقاد ہے کہ محمد بن حنیفہ رح ایک پہاڑ میں چھپے ہوے ہیں جس کا نام رضوی ہے اوسی میں دو چشمے بہتے ہیں ایک شہد کا دوسرا پانی کا وہ پھر نکلینگے اور عدل سے دنیا کو بھر دینگے۔

ہاشمیہ میں ایک فرقہ قائل ہے کہ عبد اللہ بن معاویہ جو امام برحق تھے وہ غائب ہو گئے ہیں پھر ظاہر ہونگے۔

بنانیہ کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ کبھی کبھی ظاہر ہوا کرتے ہیں اور ابر جو گرجتا ہے یہ انہیں کی آواز ہے اور بجلی جو چمکتی ہے یہ انکا تبسم ہے۔

جارودیہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسین علیہ السلام جو امام برحق تھے وہ قتل نہیں کئے گئے زندہ ہیں قریب میں نکلینگے اور دنیا کو عدل سے بھر دیں گے۔

باقریہ کہتے ہیں کہ امام باقر رح پھر رجعت کریں گے۔

ناوسیہ کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق رح زندہ ہیں اور جبتک ظاہر ہو کر امامت کو انجام ندیں گے نہ مریں گے۔

فرقِ قائلین رجعت

واقفیہ کہتے ہیں کہ موسیٰ کاظم رح غائب ہو گئے ہیں۔ قریب ہے کہ نکلینگے اور امامت کو زندہ کریں گے۔

اسماعیلیہ میں ایک فرقہ قائل ہے کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق رح جو امام تھے غائب ہو گئے ہیں پھر تشریف لائیں گے۔

اثنا عشریہ جو حسن عسکری رح کی امامت کے قائل ہیں اُن میں ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ وہ مرے نہیں غائب ہو گئے ہیں پھر ظاہر ہوں گے۔

مغیریہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ جو امام تھے وہ مرے نہیں غائب ہو گئے ہیں اور اُن میں سے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ مغیرہ اگرچہ قتل کئے گئے مگر پھر رجعت کرینگے دیکھئے یہ صرف ابن سبا کی تعلیم کا اثر ہے کہ اعتقاد رجعت کو اُس نے مسلمانوں میں ایسا مستحکم کیا کہ فرقے اپنے معتقد علیہ بزرگوں کی رجعت کے قائل ہو گئے اس سے مقصود یہی تھا کہ دوسرا فرقہ اگر کسی دوسرے کی امامت کا قائل ہو جائے تو اُس کی مخالفت کی جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ اُس نئے امام کی ضرورت نہیں وہی غائب یا مرے ہوئے امام کافی ہیں جو آئندہ چلکر رجوع کریں گے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک فرقہ ایک امام کو مان کر دوسرے بزرگ کی امامت کا انکار کیا جس سے باہمی مخالفتیں پیدا ہو گئیں۔ ابن سبا سے پہلے کوئی یہ مسئلہ جانتا بھی نہ تھا ورنہ اہل اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رجعت کے قائل ہوتے کیونکہ جب ائمہ رجعت کر سکتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو

بطریق اولیٰ رجعت فرما سکتے تھے۔ الحاصل اس میں شبہ نہیں کہ ابن سبا نے اس مسئلہ کو اسلام میں شائع کیا جیسا کہ ناسخ التواریخ سے ابھی معلوم ہوا اور ناواقف مسلمانوں نے اوسکو مان لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی مخالفتیں پیدا ہوگئیں اور یہی اوس کا اصلی مقصود بھی تھا۔

وصی اور امامت کا مسئلہ بھی یہود کے معتقدات میں سے ہے چنانچہ ملل ونحل میں یہود کے عقائد میں لکھا ہے کہ ''اُن کا اعتقاد ہے کہ نبوت موسیٰ اور اون کے بھائی ہارون علیہما السلام میں مشترک تھی اور ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے وصی بھی تھے مگر جب موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اون کا انتقال ہوگیا تو موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کو وصیت کی کہ توراۃ اور الواح کے اسرار شبر اور شبیر کو پہونچا دیں جو ہارون علیہ السلام کے فرزند ہیں کیونکہ مستقل امامت انہیں کے لئے مقرر تھی اور یوشع گو وصی تھے مگر منصب وصیت ودیعۃً اونکو دیا گیا تھا اصل وصی اور امام وہ دونوں صاحبزادے تھے'' انتہی ملخصاً۔

دیکھئے کس قدر اہتمام ہے کہ یوشع بن نون علیہ السلام باوجودیکہ وہی کام کرتے تھے جو انبیا کا کام ہے بلکہ خود نبی بھی تھے اور

اسرار توریت اور الواح پر مطلع بھی تھے مگر یہود نے اونکو وصی نہیں قرار دیا کیونکہ وصی اُن کے زعم میں وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرابت دار ہوا اور امامت کے لئے وصی کا ہونا شرط ٹھیرا۔ اسیوجہ سے اُن کا عقیدہ ہے کہ اصل وصی اور امام دونوں صاحبزادے ہیں یہہ یہود کا عقیدہ تھا اس کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں مگر ابن سبا نے اس مسئلہ کو ایسا ذہن نشین کیا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اسکی قائل ہوکر ممتاز ہو گئی۔

چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ ۲۷ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا تعالے نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے تمھارے بھائی ہارون کو تمھاری وزارت کے لئے اختیار کیا جس طرح محمدؐ کے لئے ایلیا کو اختیار کیا جو اون کے بھائی اور اون کے وزیر اور اون کے وصی اور اون کے بعد اون کے خلیفہ ہونگے تم دونوں بھائیوں کو خوشخبری ہے اور اون دونوں بھائیوں کو خوشخبری ہے ایلیا کے دو فرزند ہیں حسن اور حسین اور تیسرے محسن جیسا کہ ہارون کے بھی تین لڑکے ہیں شبر، شبیر اور مشبر انتہیٰ۔

غرضکہ اس قسم کی روایتیں مسلمانوں میں اوس نے شایع کر دیں اور ناواقفوں نے خوش اعتقادی سے مان لیا اور اس کا اثر یہ ہوا

کہ مسلمانوں میں باہمی مخالفتیں قائم ہوگئیں پہلی مخالفت یہ ہوئی کہ
ایک فرقہ شیعہ علی کرم اللہ وجہہ کے لقب سے ملقب ہوکر علیحٰدہ
ہوگیا پھر اون میں بھی بہت سے فرقے ہوگئے جو ایک دوسرے
کے مخالف ہیں چنانچہ کیسانیہ محمد بن حنفیہ رح کے معتقد اور اون کی
امامت کے قائل ہیں اور ہاشمیہ ابوہاشم کو امام سمجھتے ہیں جو محمد بن حنفیہ
کے فرزند تھے اون کا اعتقاد ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
تمام اسرار محمد بن حنفیہ رح کو بتلائے تھے انہوں نے اپنے فرزند
ابوہاشم کو وہ اسرار پہونچادیے اور امام وہی ہوسکتا ہے جو علم میں
سب سے افضل ہو۔ ابوہاشم کے انتقال کے بعد پانچ فرقے ہوگئے
ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ انہوں نے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس
کو وصیت کی اور وہی وصیت اون کی اولاد میں جاری رہی یہانتک
کہ خلافت ابوالعباس کو پہونچی کیونکہ اون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی قرابت کی وجہ سے خلافت کا حق تھا اور ایک فرقہ نے ابوہاشم
کے بھتیجے جن کا نام حسن بن علی بن محمد بن حنفیہ تھا اونکو امام اور اون کا
خلیفہ قرار دیا۔ اور ایک فرقہ نے کہا کہ وہ مستحق نہیں ہوسکتے ابوہاشم
نے اپنے بھائی علی بن محمد کو اپنا وصی بنایا اور علی نے اپنے فرزند
حسن کو غرضکہ امامت محمد بن حنفیہ کی اولاد سے باہر نہیں جاسکتی

اور ایک فرقہ نے کہا یہ غلط ہے ابوہاشم نے عبداللہ بن عمرو بن حرب کندی کو وصی بنایا اور خلافت بنی ہاشم سے نکل گئی۔ کیونکہ ابوہاشم کی روح عبداللہ کی طرف منتقل ہوی اُسکے بعد کسی سبب سے انہوں نے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کو امام قرار دیا۔ جب عبداللہ کا انتقال ہوا تو دو فرقے ہو گئے بعضوں نے کہا کہ وہ مرے نہیں پھر رجوع کریں گے اس لئے کسی کو امام مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور بعضوں نے کہا بے شک وہ مر گئے اور اون کی روح اسحٰق بن زید بن الحارث الانصاری کے جسم میں منتقل ہوئی اس فرقہ کا نام حارثیہ ہے۔ عبداللہ بن معاویہ اور محمد بن علی کے اصحاب میں سخت مخالفت ہے اور ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امامت ابوہاشم سے بنان بن سمعان نہدی کی طرف منتقل ہوئی۔ رزامیہ کہتے ہیں کہ خلافت یوں منتقل ہوتی گئی کہ علی رضی اللہ عنہ سے اون کے فرزند محمد کو ملی اون سے ابوہاشم کو اون سے علی بن عبداللہ بن عباس کو اون سے محمد بن علی کو بالوصیۃ اون سے اون کے بیٹے ابراہیم کو ملی اور وہی امام ہیں۔ زیدیہ کہتے ہیں کہ امامت حضرت فاطمہ علیہا السلام کی اولاد کے سوا کسی کو نہیں ملسکتی اور وقت واحد میں دو امام بھی ہوسکتے

ہیں جیسے محمدؐ اور ابراہیم جو فرزند عبد اللہ بن حسن بن حسین علیہ السلام کے تھے۔ جارودیہ کہتے ہیں کہ امامت علی رضی اللہ عنہ سے حسن رضی اللہ عنہ کو اون سے حسین رضی اللہ عنہ کو اون سے علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اون سے زید بن علی کو اون سے محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسین کو پہونچی۔ سلیمانیہ جو سلیمان بن جریر کے اتباع ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت بھی امامت حقہ تھی اگرچہ اوس میں خطائے اجتہادی ہوی سلیمان کا قول ہے کہ رافضیوں کے اماموں نے دو باتیں اپنے شیعہ کے لئے خوب گھڑلی ہیں ایک قول بالبدا کہ جب وہ پیشینگوئی کرتے ہیں کہ ہمارا غلبہ ہوگا اور چنیں ہوگا اور چناں ہوگا اور وہ جھوٹی ثابت ہو تو کہدیا کرتے ہیں کہ خدا کو یہ بات بعد میں بے سوجھ گئی پہلے وہی بات تھی جو ہم نے کہی تھی۔ دوسرا تقیہ کہ سب کچھ کہ جاتے ہیں۔ پھر جب کوئی بات جھوٹ ثابت ہوتی ہے تو کہدیتے ہیں کہ ہم نے تقیہ کیا تھا۔ امامیہ بعد امام حسن اور امام حسین اور علی بن حسین علیہ السلام کے ایک رائے پر متفق نہیں ستر سے زیادہ اون کے فرقے ہوگئے ہیں۔ ناؤسیہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق

علیہ السلام امام برحق ہیں اور ہنوز زندہ ہیں پھر ظاہر ہوکر امامت کریں گے اور وہی قائم اور مہدی ہیں۔ افطحیہ کہتے ہیں کہ وہ مر گئے اور امامت اُن کے بیٹے عبداللہ الافطح کو پہونچی جو اسمٰعیل کے بھائی ہیں۔ شمطیہ کہتے ہیں کہ امامت اون کے فرزند کی طرف منتقل ہوئی جن کا نام محمدؐ ہے۔ اور موسویہ کہتے ہیں کہ امامت اون کی اون فرزند کی طرف منتقل ہوئی جن کا نام موسیٰ ہے۔ اسمٰعیلیہ کہتے ہیں کہ امامت اون کے فرزند اسمٰعیل کی طرف منتقل ہوی۔ یہ خلاصہ کتب ملل کا ہے۔

غرضکہ اس قسم کے اختلاف اور بہتیرے فرقوں میں ہیں یہاں صرف اسیقدر بتلانا منظور ہے کہ حضرات شیعہ کو صرف سنیوں ہی سے مخالفت نہیں بلکہ باہمی مخالفتیں بھی بہت سی ہیں ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے جو مسئلہ وصیت و امامت پر زور دیا اوس کا مقصود صرف یہی تھا کہ اس مسئلہ کی وجہ سے مسلمانوں میں ایسا اختلاف پڑجائے کہ موافق مخالف سب میں مخالفت جاری رہے اس لئے کہ یہ وہ امامت تو ہے ہی نہیں جو احادیث میں وارد ہے جسکو خلافت یا امامت یا سلطنت کہتے ہیں جس کا پہچاننا آسان ہے جیسے ابوبکر و عمر

رضی اللہ عنہا کی خلافت و امامت بھی کہ تمام اسلامی دنیا میں کوئی ایسا نہ تھا جو اُن سے واقف نہو ایسے امام کی مخالفت کا حکم احادیث میں مصرح ہے کہ جو مخالف ہو اور امام بننا چاہے قتل کر ڈالا جائے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن ابی سعید رض قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا الاخر منہما رواہ مسلم یعنی فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو خلیفوں کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے تو دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اور نہج البلاغہ صفحہ ۱۱۱ جلد دویم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ ما اختلفت دعوتان الا کانت احداہما ضلالۃ یعنی جب دو دعوے مختلف ہوں تو ایک ضرور ضلالت و گمراہی ہوگی یعنی باوجود ایک خلیفہ ہونے کے دوسرا خلافت کا دعوے کرے تو بحسب حدیث شریف وہ گمراہ سمجھا جائے گا۔ اسی وجہ سے خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں آپ نے کبھی دعوائے خلافت کی کسی سے بیعت نہ لی اور عثمان رض کی شہادت کے بعد بھی یہ شرط لگا دی کہ اگر ایک شخص بھی خلاف کرے تو پھر کسی سے بیعت نہ لی جائے گی اور خلافت سے دست بردار ہو جائیں گے اسی وجہ سے حضرت

علی کرم اللہ وجہہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اپنے استحقاق کا دعویٰ تھا بھی تو اس سے دست بردار ہوگئے کیونکہ امارت اور خلافت سے جو مقصود ہے وہ ایک سے حاصل ہوسکتا ہے جیسا کہ نہج البلاغہ میں ہے من کلامہ علیہ السلام

وانہ لابد للناس من امام بر او فاجر یعمل فی امارتہ المومن ویستمتع فیہا الکافر ویبلغ اللہ فیہا الاجل یجمع بہ الفئ ویقاتل بہ العدو و یأمن بہ السبل ویوخذ بہ للضعیف من القوی حتّٰی یستریح بہ بر ویستراح من فاجر یعنی ہر وقت ایک امیر کی ضرورت ہے (خواہ وہ نکوکار ہو یا فاجر) جس کی امارت میں دشمنوں کے ساتھ جنگ ہو اور راستوں میں امن قائم ہو اور ضعیف قوی سے اپنا حق لیسکے اچھے لوگ راحت پائیں اور فاجروں سے راحت ملے انتہیٰ

دیکھئے اصل امارت و امامت یہی ہے جو خود حضرت امیر المومنین رضؓ فرمارہے ہیں کہ اُس سے انتظام سلطنت مقصود ہے نہ اُسکے لئے اہلبیت میں سے کوئی ہونا شرط ہے نہ متقی عالم ہونیکی ضرورت ہے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ فاجر بھی اس کام کو انجام دے سکتا ہے اور وہ امیر یعنی امام سمجھا جاے گا

چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ امامت
سے مقصود صرف انتظام سلطنت ہے اور ہر بر و فاجر امام ہو سکتا
ہے اسی وجہ سے بنی اُمیّہ وغیرہ کی امامت اور سلطنت مسلّم ہو گئی
اور مسلمانوں نے اُن کو معزول کرنے کی فکر نہیں کی کیونکہ ابقاے
تمدن کے لئے ایک حاکم کی ضرورت تھی جس کے ظلّ حمایت
میں آدمی اپنے دشمنوں کی تعدی سے بچ سکے سو وہ پوری ہو گئی
اس کے لئے ذاتی فضائل کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ دیکھئے
اگر کسی قوم میں کوئی فقہ کی کسی ایک کتاب کا عالم ہو اور انہیں میں
دوسرا شخص متصف بصفات کمالیہ موجود ہو مثلاً صدرا شمس بازغہ
وغیرہ از بر پڑھاتا ہو اور سید شریف القوم بھی ہو اور کہیں کا زمیندار
و جاگیردار بھی ہو علاوہ اس کے عابد، زاہد، تہجد گذار صائم الدہر بھی
ہو تو جب نماز کا وقت آئے گا تو امامت کا مستحق وہی شخص ہو گا جو
فقہ کی کتاب کا عالم ہے اور وہ فاضل، عابد، سید صاحب ہرگز
امامت کے مستحق نہوں گے کیونکہ ہر چیز کے استحقاق کے لئے
خاص قسم کے فضائل معتبر ہیں چونکہ خلفاے ثلاثہ کے زمانہ میں
مقصود خلافت اچھی طرح حاصل ہوا اسلام کی اشاعت خاطر خواہ ہوئی
قومی ترقی جسطرح چاہیئے ہوتی گئی اسلامی دنیا میں امن و امان قائم

ہوا اتحاد و ہمدردی کے اصول مستحکم ہوئے اس وجہ سے علی کرم اللہ وجہہ کو کسی قسم کے تعرض کی ضرورت نہوئی کیونکہ خلافت سے جو مقصود آپ نے بیان فرمایا ہے وہ حاصل ہوگیا اور آپ بھی اس بارگراں سے سبکدوش رہے۔ رہا یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس زمانہ میں خلافت کرتے تو ممکن تھا کہ یہ اغراض حاصل ہوتے سو یہ درست ہے۔ مگر چونکہ صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاجدان اور رمز شناس تھے انھوں نے دیکھا کہ آپ اس عالم سے رخصت ہوتے وقت اپنا سجادہ نشین اور جانشین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بنایا یعنی امامت کے مصلے پر آپکو جگہ دی اور اُن کو اپنا قائم مقام کیا تو یہ بات اُن کی سمجھ میں آگئی کہ دین اسلام صرف تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور اُس میں خاصکر نماز سب سے زیادہ باعث تقرب ہے کیونکہ وہ معراج المومنین ہونے کی وجہ سے اس میں مناجات اور رازداری حق تعالیٰ سے نصیب ہوتی ہے ایسے امر میں اُن کو حضرت نے اپنا قائم مقام بنایا تو دوسرے امور میں تو بطریق اولیٰ وہ جانشین ہوں گے یہی بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نے اُن کو ہمارے دین کے لئے منتخب

فرمایا تو ہم نے اپنے دنیوی امور کے لئے بھی انہیں کو اختیار کیا یعنی خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ مشائخین کرام نے لفظ سجادہ نشینی کو یہیں سے استنباط کیا ہے۔ چنانچہ جس مقام میں سلاطین لفظ تخت نشینی کا استعمال کرتے ہیں یہ حضرات سجادہ نشینی کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ پہلے سجادہ نشین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں ورنہ صرف جائے نماز پر بیٹھ جانا وجہ تسمیہ نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ خلافت سے جو مقصود ہے وہ وہی ہے جو علی کرم اللہ وجہہ نے بیان فرمایا اور جس پر صحابہ کا عمل درآمد رہا کیا ہے۔ ابن سبا نے خلافت کی جو شرطیں لگائیں وہ نہ علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کے مطابق ہیں نہ کسی حدیث سے ثابت اور نہ اس پر صحابہ کا عملدرآمد رہا پھر طرفہ یہ کہ اس نے جس امامت پر زور دیا اس کے لئے نہ کروفر کی ضرورت ہے نہ کسی کے واقف ہونے کی گوشہ نشین اور صحرانورد بھی امام سمجھے جائیں گے جن کو کوئی پہچانتا نہو اور اُن کی مخالفت کرنے اور انکا ساد وسرا معتقد علیہ قائم کرنے سے کوئی واجب القتل نہیں ہو سکتا جس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلکہ ہر محلہ۔ قریہ۔ اور شہر کے لوگ اپنے معتقد علیہ سید صاحب کو امام قرار دے سکتے ہیں وہ کیا جا نیں

کہ دوسرے مقام میں بھی کوئی بزرگ سید صاحب ہیں جو امامت کے مستحق ہوں۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اوائل میں لفظ امام بادشاہ وقت کے معنی میں مستعمل تھا جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہے اور باوجودیکہ اہل بیت کرام کو یہ خدمت نہ تھی مگر وہ بھی امام سمجھے جاتے ہیں اس کی کیا وجہ؟

صواعق محرقہ میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک روز خلیفہ رشید نے دیکھا کہ امام موسی کاظم رض کعبہ شریف کے پاس بیٹھے ہیں کہا کیا آپ ہی ہو کہ پوشیدہ لوگوں سے بیعت لیا کرتے ہیں فرمایا ہاں انا امام القلوب وانت امام الجسوم یعنی فرمایا کہ میں دلوں کا امام ہوں اور تم اجسام کے مطلب یہ کہ ہماری بیعت دوسری قسم کی ہے کہ دلوں کو معرفت الہی سے منور کرتی ہے اس کو سلطنت سے کوئی تعلق نہیں۔ فی الواقع

یہی امامت مقصود بالذات ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی غرض سے تھی کہ سرگشتگان وادی ضلالت کو ہدایت کر کے خدائے تعالیٰ تک پہونچا دیں بعثت سے مقصود بالذات سلطنت نہیں کیونکہ سلاطین فقط تمدن قائم کرنے کے لئے ہوتے ہیں خواہ شرعی اصول پر ہو یا قانونی۔

کلینی صفحہ ۱۱۵ میں روایت ہے قال ابو جعفر علیہ السلام

یا ابا خالد لنور الامام فی قلوب المومنین انور من الشمس

المضیئۃ بالنہار وھم واللہ ینورون قلوب المومنین

یعنی فرمایا امام جعفر علیہ السلام نے کہ امام کا نور جو مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا ہے وہ اُس سے بھی زیادہ روشن ہے جو آفتاب کا نور روز روشن میں ہوتا ہے خدا کی قسم وہ مسلمانوں کے دلونکو روشن کردیتے ہیں انتہی۔ یہ وہ نور ہے جو طالبین حق کے دلوں میں ہوتا ہے جس سے اُن کو سلوک میں مدد ملتی ہے اور سالک طریقت کو روز روشن کی طرح منور کردیتا ہے یہ نور اُس امام القلوب کا ہوتا ہے جو خدا رسیدہ ہو۔ اور دوسروں پر اپنا اثر ڈال سکے۔ بخلاف امام اجسام کے کہ خوں ریز اور فاجر بھی ہو تو ہو سکتا ہے۔ اس سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔

کلینی صفحہ ۱۰۸ میں روایت ہے قال ابو جعفر یا ابا حمزۃ

یخرج احد کم فراسخ فیطلب لنفسہ دلیلا وانت بطرق

السماء اجھل منک بطریق الارض فاطلب لنفسک

دلیلا یعنی فرمایا ابو جعفر علیہ السلام نے اے ابو حمزہ تم زمین پر چند فرسخ جاتے ہو تو ایک رہبر کو ساتھ لیتے ہو حالانکہ

زمین کی راہوں سے آسمان کی راہیں زیادہ تر مجہول ہیں۔ ان راہوں کی ہدایت کیلئے رہبر کی زیادہ تر ضرورت ہے اس لئے ایک رہبر اپنے لئے طلب کرو۔ مقصود یہ کہ راہ خدا طلبی میں پیر کامل کی اشد ضرورت ہے۔

کلینی صفحہ ۱۰۹ میں روایت ہے قال ابوجعفر علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ ونورا یمشی بہ فی الناس اماما یوتم بہ کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا قال الذی لا یعرف الامام یعنی اس آیۂ شریفہ میں نور سے مراد امام اور مرشد ہے جسکی پیروی کی جائے اور جو مثال اس شخص کی دی گئی ہے کہ اندھیریوں سے نکل نہیں سکتا اس سے مراد وہ شخص ہے جو امام کو نہ پہچانے یعنی جو شخص پیر کی تلاش نہ کرے جو اس کا مقتدا اور امام ہوسکے وہ ہمیشہ گمرہی کی تاریکی میں پڑا رہے گا۔ غرضکہ امام وہی ہے جو سالک کو راہ تحقیق میں علی وجہ البصیرت لیجا سکے

کلینی صفحہ ۱۱۷ میں مروی ہے عن الرضا علیہ السلام الامام واحد دہرہ لا یدانیہ احد ولا یعادلہ احد ولا یوجد منہ بدل ولا لہ مثل ولا نظیر مخصوص بالفضل کلہ من غیر طلب منہ ولا اکتساب بل اختصاص من المفضل

الوھاب فمن ذا الذی یبلغ معرفۃ الامام او یمکنہ اختیارہ

ھیہات ھیہات ضلت العقول وحارت الالباب وعیت البلغاء عن

وصف شان من شانہ الحدیث یعنی حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ امام اپنے زمانے میں یگانہ اور بے نظیر ہوتا ہے اور اس کے فضائل اکتسابی نہیں ہوتے بلکہ حق تعالیٰ کی طرف اسکو خصوصیت ہوتی ہے امام کی معرفت کسی کو نہیں ہو سکتی اُس کے ایک ایک وصف میں عقل حیران ہوتی ہے انتہیٰ۔ اس امام کو اصطلاح صوفیہ میں قطب کہتے ہیں۔ ہر چند وہ آدمیوں میں ملے جلے رہتے ہیں مگر ان کو کوئی نہیں پہچان سکتا اور کمالات ان کے وہبی ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ ان سے وصول وایصال الی اللہ کے طریقے معلوم کرتے ہیں ان کو ظاہری سلطنت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا چنانچہ کلینی صفحہ ۱۶۷ میں لکھا ہے عن المفضل عن ابی عبد اللہ ع قال سئلتہ عن الامام

یمانی اقطار الارض وھو فی بیتہ مرخیٰ علیہ سترہ۔

دیکھئے اس سے ظاہر ہے کہ امام ابی عبد اللہ ایسے عزلت گزیں تھے کہ اکثر پردے کے اندر تشریف رکھتے تھے اب کہئے کہ ان کو سلطنت سے کیا تعلق۔

کلینی صفحہ ۱۲۵ میں مروی ہے عن حمران قال قلت لابی عبداللہ قال اللہ عزوجل آتیناھم ملکا عظیما قال الطاعۃ الحدیث

یعنی ابوعبداللہ ع نے وآتیناہم ملکاً عظیماً کی تفسیر میں فرمایا کہ ملک عظیم سے مراد اطاعت ہے۔ مطلب یہ کہ ائمہ کرام جو انسان کامل ہیں ان کی اطاعت سب کوئی کرتے ہیں چنانچہ صوفیہ کرام نے لکھا ہے کہ انسان کامل خلیفۃ اللہ ہے اس کی اطاعت آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز کرتی ہے اور ان کا تصرف تمام عالم میں جاری ہوتا ہے کما قیل من لہ المولیٰ فلہ الکل۔ شعر

تو گردن ز فرمان داور مپیچ
نہ پیچد گردن ز حکم تو ہیچ

کلینی صفحہ ۱۵۰ میں مروی ہے کہ امام جعفر ؑ نے فرمایا کہ جیسے آدمی ہمارے تابع ہیں ویسے ہی جنات بھی تابع ہیں جب ہمیں کسی کام میں جلدی منظور ہوتی ہے تو ہم ان کو روانہ کرتے ہیں۔

کلینی صفحہ ۲۵۸ میں ہے عن ابی جعفر ع قال وجدنا فی کتاب علی ع ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین وانا واھل بیتی الذین اورثھم اللہ الارض ونحن المتقون والارض کلھا لنا۔ یعنی علی علیہ السلام فرماتے ہیں

کہ زمین اللہ کی ہے جسکو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام متقیوں کے لئے ہے ہیں اور میرے اہل بیت وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے زمین کا وارث بنا دیا ہے ہم لوگ متقی ہیں اب پوری زمین ہماری ہے انتہیٰ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نہ علی کرم اللہ وجہہ کا قبضہ زمین شام وغیرہ پر ہوا تھا نہ حضرت کی اولاد امجاد کا باوجود اس کے آپ فرماتے ہیں کہ تمام زمین ہماری ہے اس کا مطلب وہی ہے جو اولیاء اللہ نے کہا ہے کہ انسان کامل خلیفۃ اللہ ہے اور اس کا تصرف تمام عالم میں جاری ہے۔

کلینی صفحہ ۲۹۹ میں امام ابو جعفرؑ کا قول نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ جس چیز کو خدائے تعالےٰ نے پیدا کیا ہے پرندہ ہو یا چرندہ بلکہ جس میں روح ہو وہ سب بنی آدم سے زیادہ ہماری بات سنتے ہیں اور ہماری اطاعت کرتے ہیں انتہیٰ۔

یہ بات اولیاء اللہ کے تجربوں اور خوارق عادات سے ثابت ہے اب دیکھئے یہ خلافت معنوی کے لوازم و آثار ہیں کہ باوجودیکہ انس و جن اور جمیع مخلوقات تابع فرمان تھے۔ مگر امام ابو جعفر محمد باقرؑ وغیرہ نے کبھی امارت ظاہری کا قصد نہیں فرمایا اور نہ سلطنت

مداخلت کی۔

کلینی صفحہ ۱ میں روایت ہے احول کہتے ہیں کہ زید بن علی بن الحسین علیہما السلام نے مجھے بلوا کر اپنا ارادہ جہاد ظاہر کیا اور مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا میں نے انکار کر کے وہ علوم بیان کئے جو علی بن حسین علیہ السلام سے مجھے اس باب میں پہنچے تھے فرمایا میرے والد مجھے اپنے ساتھ اس شفقت سے کھانا کھلاتے تھے کہ اگر بوٹی گرم ہوتی تو ٹھنڈی کر کے میرے منہ میں رکھتے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ باوجود اس شفقت کے مجھے ایسی بات کی خبر نہ دیتے جو باعث دخول نار ہو۔ میں نے کہا آپ کو خبر نہ دینے میں بھی ایک شفقت ملحوظ تھی کیونکہ ان کو خوف تھا کہ اگر آپ قبول نہ کریں تو دوزخ میں داخل ہو جائینگے اور مجھے اس کی خبر دیدی احول کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ ابو عبد اللہ سے بیان کیا آپ نے فرمایا تم نے ان کو خوب ہی تنگ کیا اور ایسا بند کیا کہ ان کو راستہ ہی نہ ملے انتہیٰ ملخصاً۔ اس سے ظاہر ہے کہ زید رض کا خروج کرنا اور بادشاہ وقت کا مقابلہ کرنا امام ابو عبد اللہ رض کو ناگوار تھا۔

کلینی صفحہ ۲۲۴ میں روایت ہے کہ زید بن علی ابن الحسین نے

محمد بن علی علیہ السلام کو اہل کوفہ کے خطوط دکھا کر اپنے خروج کا ارادہ ظاہر فرمایا آپ نے ان کو بہت سمجھایا کہ اس ارادہ سے باز آو مگر انہوں نے نہ مانا آخر آپ نے فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم مقام کناسہ میں سولی پر چڑھائے جاؤ گے اور یہ کہکر زار زار رونے لگے انتہی ملخصاً۔ دیکھئے ائمہ کرام فساد باہمی اور سلاطین سے جنگ و جدال کو کسقدر برا سمجھتے تھے یہاں تک تو فرما دیا کہ وہ باعث دخول نار ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان حضرات کو امامت کا دعوی بھی تھا۔ جیسا کہ کلینی کی صدہا روایات سے ثابت ہے مگر یہ دعوے اگر دعوائے سلطنت سمجھا جائے تو اس کا حاصل کرنا بغیر جہاد کے ممکن نہیں حالانکہ اس جہاد کو آپ حرام بتلا رہے ہیں پھر اس دعوے سے فائدہ ہی کیا زیادہ سے زیادہ اس کا اثر خیال پر پڑسکتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے خوش کردے مگر یہ حضرات ایسے نہ تھے کہ عمر بھر خیالی خوشی میں لگے رہتے اصل یہ ہے کہ وہ امامت معنوی تھی جس کی حکومت سے جن و انس وغیرہ خارج نہیں ہوسکتے۔ اس امامت کو حکومت ظاہری سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ حرج اوقات سمجھکر اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے ابراہیم ادہم رو نے سلطنت کو

ترک کر دیا اور وہ حکومت پائی کہ دریا کی مچھلیاں صرف ایک آواز
پر حاضر ہو گئیں اور امتثال امر میں کوشش کرنے لگیں۔ چنانچہ
یہ حکایت مشہور اور کتب سیر میں مذکور ہے۔ جب اولیاء اللہ کا
یہ حال ہو تو ائمہ کرام کا کیا حال ہونا چاہیئے۔ چونکہ لفظ امامت
مشترک ہے اس لئے بعض لوگوں نے امامت ظاہری خیال
کرکے یہ مشہور کر دیا کہ ان حضرات کو دعوائے سلطنت تھا۔ جو روایات
ہم نقل کر رہے ہیں اُن کو دیکھنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ یہ
بات مسلم ہو جائے گی کہ ان حضرات کو دعوائے سلطنت سے
کوئی تعلق نہ تھا اگر کسی صاحب نے جہاد کیا بھی تو سلاطین کی
بداطواریاں دیکھکر ان کی حمیت اسلامی نے جوش کیا اور
اسپر ماجور ہوئے جسطرح خطائے اجتہادی میں ایک ثواب
ضرور ملتا ہے بشرطیکہ کہ خالص لوجہ اللہ اور اغراض نفسانیہ سے
مبرا ہو۔
کلینی صفحہ ۱۵۳ میں یہ روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے
فرمایا ولا اعلم فی ھذا الزمان جھاداً الا الحج والعمرۃ
والجوار یعنی امام ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نہیں
جانتا کہ اس زمانے میں سوائے حج وعمرہ اور اعتکاف کے

کوئی اور بھی جہاد ہو دیکھئے امام ابو جعفر علیہ السلام اپنے علم کی خبر دیتے ہیں جو سینہ بسینہ پہنچا تھا کہ اپنے زمانے میں جہاد درست نہیں اس سے ظاہر ہے کہ اگر امامت بمعنی سلطنت ہوتی تو جہاد کی ضرورت بیان فرماتے کہ لڑ کر وہ حاصل کر لی جائے کیونکہ سلطنت بغیر قتل و کشت کے حاصل نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ یہ امامت ہی کچھ اور ہے۔ یہ ائمہ بادشاہوں کی طرح اجسام کو مسخر کرتے نہیں پھرتے تھے بلکہ زاویۂ عزلت میں بیٹھے ایک عالم کے دلوں کو مسخر کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہیں لوگ اس امامت اور خلافت کو کیا جانیں اسکو تو وہی لوگ جانتے ہیں جنکا باطن صبغۃ اللہ سے منصبغ ہو گیا ہو۔ ان روایات سے اس حدیث کے معنی بھی معلوم ہو گئے جو کلینی صفحہ ۱۱۴ میں ہے۔

کان ابو عبد اللہ یقول نحن ولاۃ امر اللہ وخزنۃ علم اللہ وعیبۃ وحی اللہ یعنی ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ ہم والیان امر الٰہی اور خزانہ داران علم الٰہی اور وحی الٰہی کی جامدانی ہیں۔

جب جہاد اور ملک گیری سے ان حضرات کو کوئی تعلق نہیں تو والیان ملک ہونے کا یہی مطلب ہوا کہ والیان ملک معنوی ہیں

ان کی اطاعت ضروری ہے اسیوجہ سے تصوف میں اطاعت پیر کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ اور صاف لکھتے ہیں کہ بغیر اطاعت پیر کے اس عالم میں راستہ ملتا ہی نہیں۔

کلینی صفحہ ۱۱۲ میں مروی ہے عن الحسین بن ابی العلا

قال قلت لابی عبد اللہ الاوصیاء اطاعتہم مفترضۃ

قال نعم ھم الذین قال اللہ عز وجل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم یعنی اس آیۂ شریفہ سے اوصیا کی اطاعت فرض ہوئی جو اولی الامر ہیں۔ اگرچہ بعض علمائے ظاہر بیں علم باطن کا انکار کرتے ہیں۔ مگر مذاہب اربعہ کے محققین علماء اس کے قائل ہیں بلکہ مرید ہوکر فیوض و برکات حاصل کرتے رہے ہیں۔ دراصل علم باطن وہ علم ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے ہر پیر اپنے جانشین کو علاوہ اتباع ظاہر شریعت کے خاص خاص باتوں کی وصیت کرتا ہے جو علمائے ظاہر کے مسلک کے مخالف ہیں مگر اہل طریقہ اُن وصایا پر عمل کرنے کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ دراصل وہ قرآن وحدیث کے لب لباب ہیں۔

کلینی صفحہ ۷۹ میں روایت ہے عن ابی الحسن الرضاؑ فی قول اللہ

عزوجل ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا قال

ھم الائمۃ یودی الامام الی الامام من بعدہ ولا یخص بھا غیرہ

ولا یزویھا عنہ۔ یعنی حقتعالیٰ کا جو حکم ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو

پہنچا دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو چاہیئے کہ امامت اپنے بعد

کے امام کو پہنچا دے کسی دوسرے کو نہ دے۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ

کا دستور ٹھیرا ہوا ہے کہ بغیر اہلیت کے خلافت کسی کو نہیں دیتے

اگرچہ اپنا لڑکا ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ ہر کس و ناکس کو اسرار

پر مطلع کرنا دین کو تباہ کرنا ہے۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے

کہ ابوہریرہ رضؓ اور بعض دوسرے صحابہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں دو علم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہیں ایک وہ جو ہم ظاہر کرتے ہیں

اور دوسرا اگر ظاہر کریں تو قتل کئے جائیں۔ غرضکہ جو لوگ خلافت

کے اہل ہوتے ہیں انہیں کو خلافت دینا اس روایت سے

ثابت ہے رہا یہ کہ اکثر روایاتِ کلینی سے معلوم ہوتا ہے کہ

امامت کیلئے اہلبیت کا ہونا شرط ہے سو یہ درست ہے مگر

اہل بیت ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی

اولاد سے ہوں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان

فارسی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت میں داخل فرما لیا جو فارس کے رہنے

والے تھے اس سے مقصود حضرت کا ظاہر ہے کہ اہل بیت ہونے کے لئے نہ نسب کی ضرورت ہے نہ عربی ہونے کی بلکہ اگر کوئی عجمی ہو اور اس میں قابلیت ہو تو وہ اہل بیت میں شامل ہو سکتا ہے۔

کلینی صفحہ ۱۱۴ میں روایت ہے عن ابی بصیر قال قلت لابی عبد اللہ انما انت منذر ولکل قوم ھاد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منذر و علی الھادی یا ابا محمد ھل من ھاد الیوم قلت جعلت فداک مازال منکم ھاد من بعد ھاد حتی دفعت الیک الحدیث یعنی ابی بصیر کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے آیۂ موصوفہ کا مضمون پوچھا فرمایا منذر یعنی ڈرانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہادی علی علیہ السلام تھے فرمایا کیا آج بھی کوئی ہادی ہے؟ میں نے کہا آپ حضرات یکے بعد دیگرے ہادی ہوتے آئے یہاں تک وہ منصب اب آپ کو عنایت ہوا فرمایا اگر آیت ایک شخص پر نازل ہو اور وہ مر جائے تو کیا آیت اور کتاب بھی مر جائے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ زندہ ہے آئندہ بھی جاری رہے گی انتھٰی مقصود یہ کہ ابتک جسطرح ائمۂ اہل بیت یکے بعد دیگرے بغیر فوج اور طمطراق ظاہری بحالت گوشہ نشینی منصب امامت باطنی سے

ممتاز رہے آئندہ بھی ایسے ہی رہینگے کہ ان سے باطنی طور پر ہدایت ہوا کریگی اور ظاہری جہاد وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ان کا جہاد وہی مجاہدہ ہے جسکی صوفیہ کو ضرورت ہوتی ہے۔

کلینی ص۱۷۳ میں روایت ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل آپ پر ایک کتاب نازل کی اور فرمایا کہ یہ تمھاری وصیت نجبار کی طرف ہے آپ نے جبرئیلؑ سے پوچھا نجبا کون ہیں؟ کہا علی اور اون کی اولاد علیہم السلام اس کتاب پر سونے کی مہریں لگی ہوئی تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کتاب علی علیہ السلام کو دیکر فرمایا کہ ایک مہر توڑ کر دیکھو اور جو کچھ اس میں ہے اسپر عمل کرو چنانچہ آپ نے اس پر عمل کیا پھر وہ کتاب امام حسن علیہ السلام کو دی انہوں نے بھی اس کی مہر توڑ کر دیکھا اور جو کچھ اس میں لکھا تھا دیکھا اور اس پر عمل کیا اسی طرح وہ کتاب امام حسین علیہ السلام اور ان کے فرزند علی اور ان کے بعد محمد بن علی اور امام جعفر صادق اور موسیٰ علیہم السلام کو پہنچی اور سب نے جو کچھ اس میں تھا اس پر عمل کیا اور آئندہ بھی نسلاً بعد نسل وہ کتاب امام مہدی علیہ السلام تک پہنچے گی انتہیٰ ملخصاً۔

اس روایت سے اتنا تو ضرور ثابت ہے کہ امامت کو سلطنت

لازم نہیں ورنہ کل ائمہ کرام جہاد کر کے ضرور سلطنت حاصل فرماتے
جسطرح نبوت کو سلطنت لازم نہیں اسی وجہ سے ہزارہا انبیاء
گذرے جن کو نبوت تھی مگر سلطنت نہ تھی بہرحال اس روایت
سے ظاہر ہے کہ یہ امامت صرف پیری مریدی سے متعلق ہے
جو زاویہ نشین حضرات صوفیہ کیا کرتے ہیں ۔
کلینی صفحہ ۱۷۱ میں اس وصیت نامہ سے متعلق ابی عبد اللہ علیہ السلام
کا قول نقل کیا ہے فلما توفی ومضی علی بن الحسین دفعها
الی محمد بن علی علیہ السلام ففتح الخاتم الخامس
فوجد فیہا علی "فسّر کتاب اللہ وصدق آباءک وورث
ابنك واصطنع الامة وقم بحق اللہ عز وجل وقل الحق
فی الخوف والامن ولا تخش الا اللہ" ففعل یعنی اس میں حکم
تھا کہ حق الٰہی کے ساتھ قیام کرو اور حق بات کہو خواہ حالت خوف
ہو یا امن اور سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرنا
چنانچہ انہوں نے ویسا ہی کیا دیکھئے باوجودیکہ صاف حکم تھا
کہ بغیر خوف کے حق بات کہنا اور اسکی تعمیل بھی کی مگر دعوائے سلطنت
نہ کیا اور اگر دعوے کرتے تو ضرور منجانب اللہ آپ کامیاب ہوتے
کیونکہ بحسب روایات مسلمہ وہ وصیت نامہ حق تعالیٰ کی طرف سے

بواسطۂ جبرئیل علیہ السّلام صادر ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو سلطنت ظاہری کا حکم ہی نہ تھا۔

کلینی صفحہ ۲۰۸ میں یہ روایت ہے کہ ابوالحسن علیہ السلام نے فرمایا

وابومحمد ابنی الخلف من بعدی فعندہ علم مایحتاج الیہ ومعہ آلۃ الامامۃ یعنی میرے فرزند ابومحمد میرے بعد خلیفہ ہیں۔ کیونکہ ان کو مایحتاج الیہ کا علم ہے اور ان کے ساتھ آلۂ امامت بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آلہ امامت آلات حرب نہیں ہیں بلکہ علم تقرب الی اللہ ہے جو مشائخین عظام کو ہوا کرتا ہے

کلینی صفحہ ۱۱۹ میں روایت ہے کہ امام رضاء علیہ السلام نے فرمایا کہ امامت ایک خاص رتبہ ہے جو ابراہیم خلیل علیہ السّلام کو بعد نبوت اور خلت کے خاص طور پر عطا ہوا تھا چنانچہ ارشاد ہے

انی جاعلک للناس اماماً۔ انہوں نے کمال خوشی میں عرض کی فمن ذریتی یعنی الہی میری اولاد میں بھی امام ہوں گے ارشاد ہوا

فلا ینال عہدی الظالمین۔ اس آیت نے امامت ظالم کو ہمیشہ کے لئے باطل کر دیا۔ انتھی ملخصاً۔

اس سے ثابت ہے کہ امامت ایک معنوی رتبہ جلیل القدر ہے جو خلیل علیہ السلام کو عنایت ہوا تھا اسکو سلطنت ظاہری سے

کوئی تعلق نہیں چنانچہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام وغیرہم کا ائمہ ہونا اور سلاطین نہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ البتہ یہ امامت فجار اور ظالمین کو نہیں مل سکتی کیونکہ وہ وہبی ہے کسبی نہیں جیسا کہ ابھی حضرت رضا علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت ہوا۔

کلینی صفحہ ۳۱۲ میں یاسر خادم اور ابان بن صلت سے روایت ہے کہ جب مامون کی حکومت مستقل ہوئی تو اس نے امام رضا علیہ السلام کو خراسان میں طلب کیا آپ نے بہت ٹالا مگر وہ خط پر خط روانہ کرتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ مجبور ہو کر روانہ ہوئے۔ جب مرو پہونچے تو مامون نے درخواست کی کہ آپ مسند خلافت پر متمکن ہوں مگر آپ نے انکار کیا۔ اُس نے کہا اگر خلافت قبول نہیں فرماتے تو ولیعہدی کو قبول فرماویں۔ آپ نے اس کے لئے بھی چند شرطیں لگائیں اور لکھا کہ میں ولیعہد اس شرط پر ہو سکتا ہوں کہ کوئی حکم کروں گا نہ کسی برے کام سے منع کرونگا نہ فتویٰ دونگا نہ قاضی بنونگا نہ کسی کو منصوب کرونگا نہ معزول اور نہ کچھ تغیر و تبدل کرونگا تمام امور سے معاف رکھا جاؤں۔ مامون نے یہ سب قبول کیا یاسر کہتے ہیں کہ جب عید کا روز آیا۔ مامون نے آپ کو کہلا بھیجا

کہ سوار ہو کر عیدگاہ کو تشریف لیجائیں اور خطبہ و نماز پڑھائیں آپ نے کہلا بھیجا کہ ہم میں
اور آپ میں جو شرطیں ہوئی تھیں وہ آپ جانتے ہیں۔ مامون نے کہا میرا مقصود
یہ ہے کہ لوگوں کے دل مطمئن ہوں اور آپ کی فضیلت سب پر ظاہر ہو جائے
بہت سے سوال و جواب کے بعد آپ نے کہلا بھیجا کہ اے امیر المومنین اگر آپ اس بات
سے مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہے ورنہ میں عیدگاہ کو اسطرح جاؤنگا
جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علی بن ابیطالب
علیہ السلام جایا کرتے تھے۔ مامون نے کہا آپ کا اختیار ہے
جسطرح چاہیں تشریف لیجائیں اور چوبدار وغیرہ تزک شاہی کو
حکم کر دیا کہ علی الصباح آپ کے در دولت پر حاضر ہو جائیں یاسر
کہتے ہیں کہ آپ کی سواری دیکھنے کے لئے تمام شہر کے مردوں
عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا آفتاب نکلتے ہی آپ اٹھے اور
غسل کر کے سفید کپڑے کا عمامہ باندھا جس کا ایک پلو سینہ مبارک
پر تھا اور دوسرا دونوں شانوں کے بیچ میں اور دامن اٹھا کر
اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ جو کچھ میں کروں تم بھی وہی کرتے
جاؤ۔ پھر ہاتھ میں عصا لیکر برآمد ہوئے ہم لوگ آپ کے
آگے آگے چل رہے تھے اور آپ پا برہنہ تہ بند نصف ساق
تک اٹھائے ہوئے ہمارے پیچھے تھے تھوڑی دور چلکر

آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور چار تکبیریں کہیں اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان اور در و دیوار سے آپ کا جواب آرہا ہے جب آپ دروازہ پر پہنچے جہاں فوج و حشم تھے کھڑے ہو گئے اور کہا

اَللّٰہُ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر علی ما ھدینا اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر علی ما رزقنا من بھیمۃ الانعام والحمد للّٰہ علی ما ابلانا ہم نے باآواز بلند یہ دعا پڑھی

یاسر کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی مرو میں ایک کھرام مچ گیا اور زلزلہ پڑگیا جب عہدہ داروں نے دیکھا کہ آپ پابرہنہ ہیں سب گھوڑوں سے کود پڑے اور اپنے موزے اتار ڈالے۔ آپ ہر دس قدم پر توقف فرما کر تین تکبیریں کہتے جس سے تمام مرو گونج جاتا تھا جب مامون کو یہ خبر پہونچی کہ مرو میں نمونہ حشر قائم ہے اور فضل بن سہل ذو الریاستین نے بھی عرض کی کہ رضا علیہ السلام عیدگاہ تک اس طرح جائیں تو فتنہ کا اندیشہ ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان سے واپسی کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ مامون نے یہ درخواست کی کہ اسوقت آپ اپنے موزے منگوائے اور سوار ہو کر واپس اپنے گھر تشریف لیجائے انتھیٰ۔

یہ شان ولایت اور امامت معنوی ہے کہ خلیفۂ وقت منتیں

تمنّیں کر رہا ہے کہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوں اور اپنے آپ کو معزول کرنے پر آمادہ ہے مگر قبول نہیں فرماتے اور ولیعہدی کو قبول بھی فرمایا تو اس شرط پر کہ امور سلطنت پر کسی قسم کی مداخلت نہ دیں گے۔ کیوں نہو علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے تھے جنہوں نے فرمایا تھا کہ نعل کے تسمے کے برابر بھی سلطنت کی وقعت میرے نظروں میں نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان حضرات کو دنیا سے ذرا بھی تعلق نہ تھا۔ پھر جو خیال کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات سلطنت کے دلدادہ تھے تو اس کی تصدیق کیونکر کی جائے اگر یہ بات ہوتی تو سلطنت اور خلافت حاصل کرنے کا اور کونسا موقع اس سے بہتر ہو سکتا تھا۔ غرضکہ ان حضرات کو عبادت اور زہد وریاضت میں جو لطف آتا تھا اس کے مقابلہ میں سلطنت ہیچ و پوچ تھی۔ شعر۔

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی

کہ یکدم با خدا بودن بہ از تخت سلیمانی

ساٹھائے سال کے تجربے سے محققین کو جو معلوم ہوا تھا وہ ان حضرات کے نشوونما میں داخل تھا۔

کلینی ص ۲۳۱ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے

آپ فرماتے ہیں کہ تمام خیر ایک حجرہ میں رکھی ہے اور اسکی مفتاح زہد فی الدنیا ہے انتھی - یعنی دنیا پر رغبت نکرنا ہر قسم کی خیر کو حاصل کرنا ہے -

کلینی صـ ۴۳۳ میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلب دنیا میں آخرت کا ضرر ہے اور طلب آخرت میں دنیا کا ضرر تو ہمکو چاہیئے کہ دنیا کا ضرر اختیار کرلیں کیونکہ وہ اسی لائق ہے کہ اسکو ضرر پہونچایا جائے

اور اسی صـ ۴۳۳ میں ہے کہ حب الدنیا رأس کل خطیئة یعنی دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے -

کلینی صـ ۵۲۹ میں نقل کیا ہے کہ امام علی بن الحسین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خدا کے نزدیک کونسا عمل فضیلت میں زیادہ ہے فرمایا کہ بعد معرفت الٰہی اور معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی عمل بغض دنیا سے افضل نہیں انتھی - یعنی دنیا سے دشمنی رکھنا تمام اعمال سے افضل ہے اور فرمایا حب الدنیا رأس کل خطیئة -

کلینی میں یہ روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ علی علیہ السلام کی کتاب میں لکھا ہے کہ دنیا کی مثال سانپ کی سی

ہے کہ اس کا جسم تو نہایت نرم ہے مگر اس کے باطن میں
زہر بھرا ہوا ہے جو عقلمند ہے وہ اس سے بچتے رہتا ہے اور
جاہل لڑکا اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔

کلینی میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کسی شخص کا
ذکر فرمایا کہ وہ ریاست کو دوست رکھتا ہے اس کے بعد فرمایا
کہ دو بھیڑئے جو شکار پر حریص ہوں بکریوں کے ایسے ریوڑ پر
حملہ کریں جن کے چرواہے متفرق ہو گئے ہوں اُنسے اس ریوڑ
کو اس قدر نقصان نہو گا جتنا حب ریاست سے مسلمان کا نقصان
ہوتا ہے۔ اور اسی ص ۵۲۰ میں ابی عبد اللہ علیہ السلام سے
روایت ہے کہ من طلب الریاسۃ ھلك یعنی جس شخص
نے ریاست طلب کی ہلاک ہو گیا۔ اب غور کیجئے کہ ائمہ اطہار
کے پیش نظر جب یہ امور تھے اور بسبب صلاحیت فطری انہیں
ان حضرات کا پورا عمل تھا اور اعلیٰ درجہ کے زاہد تھے تو کیونکر
خیال کیا جائے کہ ان حضرات کو سلطنت اور دنیا طلبی مقصود
تھی۔ زہد نے امام رضا علیہ السلام کی قبضہ میں آئی ہوئی سلطنت
سے متنفر بنا دیا۔ علی کرم اللہ وجہہ کو قبول خلافت کے وقت
اتنی شرطیں لگانے پر آمادہ کیا کہ ان کا وجود میں آنا تقریباً محال تھا

ہر چند یہ حضرات سلطنت اور دنیا طلبی سے متنفر تھے مگر چونکہ کمال تقدس کی وجہ سے طالبین حق جوق جوق ان حضرات کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ اس لئے سلاطین کو یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ کہیں دعوائے سلطنت نکر بیٹھیں اسوجہ سے درپے آزار رہتے تھے۔ چنانچہ کلینی ص ۲۹۹ میں یہ روایت ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے ابو جعفر علیہ السلام کو زجر و توبیخ کی کہ آپ لوگ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی فکر میں ہمیشہ رہتے ہوا ور اپنے آپ کو امام مشہور کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ تمھارے اول والوں کو ہماری وجہ سے خدائے تعالےٰ نے ہدایت کی اور ہم ہی سے تمھارے اواخر کا انجام ہو گا اگر تمھارے لئے ملک معجل یعنی ملک دنیا ہے تو ہمارے لئے ملک مؤجل یعنی ملک آخرت ہے اور ہمارے بعد کسی کا ملک نہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والعاقبۃ للمتقین باوجودیکہ اس تصریح سے آپ نے آخرت کا ذکر فرمایا مگر اس نے نہ مانا اور آپ کو قید کر لیا۔ ان سلاطین کے خیال میں یہ بات جمی تھی کہ بیعت لینا بادشاہ ہی کا کام ہے یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ خلافت ہی دوسری ہے جس میں شرط یہ ہے کہ سلطنت ظاہری اور

ریاست اگر کوئی پاؤں پڑکر بھی دے تو قبول نہ کی جائے فقر وفاقہ
ہیں ان حضرات کو وہ سلطنت حاصل تھی جو کسی بادشاہ کو نصیب
نہیں۔ چنانچہ کلینی کی روایت سے ابھی معلوم ہوا کہ امام عبداللہ
فرماتے ہیں نحن ولاۃ امر اللہ یعنی ہم والیان امر الٰہی ہیں۔
یہ آپنے اس حالت میں نہیں فرمایا کہ کسی ملک یا شہر یا گاؤں
کی حکومت آپ کو ملی تھی جس سے یہ خیال ہو کہ اس مقام کے
والی اپنے کو تصور فرما کر کہا ہو گا بلکہ عین فقر کی حالت کے
یہ ارشاد ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ولایت اور حکومت باطنی
ان حضرات کو ہمیشہ حاصل تھی۔ ورنہ جملہ اسمیہ جو دوام و استمرار پر
دلالت کرتا ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔ اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی بعثت فقط ہدایت خلق اور خدا طلبی کی راہیں
بتلانے کی غرض سے تھی اور ملک ظاہری بالتبع تھا جو اعلائے
کلمۃ اللہ کے ضمن میں حاصل ہو گیا اسیوجہ سے صحابہؓ جہاں جہاد کو
جاتے پہلے ایمان لانے کو کہتے اور صاف کہدیتے کہ اگر تم
ایمان لاؤ تو ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور تمہارے ملک سے
ہمیں کوئی تعرض نہو گا چین سے اپنے ملک پر قابض رہو اور
اگر کوئی تم سے مخالفت کرے تو ہم تمہاری تائید کرنے کو موجود

ہیں۔ غرضکہ بعثت نبوی فقط ہدایت خلق کے لئے تھی اور سلطنت ظاہری بالتبع اسیوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت ظاہری کے لئے کسی کو معین نہیں فرمایا جیسا کہ روایات سابقہ سے ظاہر ہے اور علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے بھی ابھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے ہر بر و فاجر کافی ہوسکتا ہے البتہ ہدایت اور تقرب الی اللہ کا نہایت اہتمام فرمایا چنانچہ ائمہ کرام نے بھی اسی کو اپنے ذمہ لیا۔ اب ہم چند ارشاد ائمہ اطہار کے یہاں لکھتے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوگا کہ اولیاء اللہ جو اپنی کتابوں میں اپنے حالات اور تجربے بیان کرتے ہیں یہ ائمہ اطہار ہی کی تربیت اور تعلیم کا اثر تھا۔ اور اصل شیعہ اہلبیت کرام یہی حضرات ہیں۔

اولیاء اللہ ہی حضرات شیعہ اہلبیت ہیں

کلینی ص ۶۰۴ میں روایت ہے عن ابی عبد اللہ ؑ قال

شیعتنا الذین اذا خلوا ذکروا اللہ کثیرا

یعنی ابی عبد اللہ ؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیعہ وہ لوگ ہیں جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ اس علامت سے ظاہر ہے کہ حضرات شیعہ اہل بیت کرام اولیاء اللہ ہیں جن کا شعار ذکر الٰہی ہے چنانچہ ابتک ان حضرات کے

نام لیوا اسی کام کے کہلاتے ہیں اور بیعت لیتے وقت ذکر الٰہی کی ہی ہدایت اور تعلیم کرتے ہیں۔

کلینی صـ۴۰۲ میں روایت ہے عن جابر عن ابی جعفرؑ قال قال لی یا جابر ایکتفی من ینتحل التشیع ان یقول یحبنا اھل البیت فواللہ ما شیعتنا الا من اتقی اللہ واطاعہ وما کانوا یعرفون یا جابر الا بالتواضع والتخشع والامانۃ وکثرۃ ذکر اللہ والصوم والصلٰوۃ والبر بالوالدین وتعاھد الجیران من الفقر واھل المسکنۃ والغارمین والایتام وصدق الحدیث وتلاوۃ القرآن وکف الالسن عن الناس الا من خیر وکانوا اُمناء عشائرھم فی الاشیاء قال جابر فقلت یا ابن رسول اللہ ما نعرف الیوم احدا بھذہ الصفۃ فقال یا جابر لا تذھبن بک المذاھب حسب الرجل ان یقول احب علیاً علیہ السلام واتولاہ ثم لا یکون مع ذالک فعالاً فلو قال انی احب رسول اللہ فرسول اللہ خیر من علی ثم

لا یتبع سیرته ولا یعمل نسبته ما نفعه حبه ایاه شیئًا واتقوا اللّٰہ واعملوا لما عند اللّٰہ لیس بین اللّٰہ و بین احد قرابۃ احب عباد اللّٰہ الی اللّٰہ عزوجل اتقاھم واعملھم بطاعتہ یا جابر واللّٰہ ما یتقرب الی اللّٰہ تبارک وتعالٰی الا بالطاعۃ وما معنا براءۃ من النار ولا علی اللّٰہ لاحد من حجۃ من کان للّٰہ مطیعًا فھو لنا ولیّ ومن کان للّٰہ عاصیًا فھو لنا عدوٌ وما تنال ولایتنا الا بالعمل والورع - ترجمہ - جابرؓ کہتے ہیں کہ ابوجعفرؑ نے مجھ سے فرمایا کہ اے جابر کیا کافی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص تشیع کو اپنا مذہب قرار دیکر کہے کہ میں اہل بیت کو دوست رکھتا ہوں۔ خدا کی قسم ہمارے شیعہ وہی ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اُن کی شناخت ان امور سے ہوتی ہے کہ ان میں تواضع اور خشوع ہو اور صوم صلوٰۃ اور ذکر الٰہی کثرت سے کریں اور اپنے ہمسایہ فقراء اور مساکین اور قرضداروں اور یتیموں کی خبر گیری کیا کریں سچی بات کہیں قرآن پڑھا کریں۔ برائی سے کسی کا ذکر نہ کریں

جب کسی کا ذکر کریں تو بھلائی سے کریں اپنے قبائل میں امانتدار ہوں جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ یہ صفات تو ہم نے کسی شیعی میں نہیں دیکھے فرمایا اے جابر کیا تم خیال کرتے ہو کہ کوئی کہے کہ میں علی علیہ السلام کو دوست رکھتا ہوں اور یہ سب کام نکرے کیا اسکو کافی ہو سکتا ہے علی علیہ السلام تو کیا اگر کوئی کہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہوں جو علی علیہ السلام سے بہتر تھے پھر ان کی سیرت کا اتباع اور سنت پر عمل نکرے اسکو بھی حضرت کی محبت کچھ نفع ندے گی چاہئے تم لوگ اللہ سے ڈریں اور عمل کریں۔ خدا اسے کسی کو قرابت نہیں سب سے زیادہ خدا کا دوست وہی بندہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور مطیع ہو۔ اے جابر خدا کی قسم خدا کا تقرب بغیر اطاعت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پاس دوزخ کی برائت نہیں ہے اور خدا پر کسی کی حجت قائم نہیں ہو سکتی جو شخص خدا کا مطیع ہو وہی ہمارا دوست ہے اور جو خدا کا نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ بغیر عمل اور ورع کے ہماری دوستی حاصل نہیں ہو سکتی انتہی۔

دیکھئے جابرؓ نے صاف عرض کر دیا کہ جو لوگ تشیع کا دم بھرتے

ہیں ان میں تو کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس میں یہ صفات پائی جائیں اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ صفات کس جماعت میں ہیں یوں تو تمام فرق اسلامیہ میں ان صفات کی ضرورت بیان کی جاتی ہے مگر جس قدر اہتمام اور التزام عملی طور پر حضرات صوفیہ کرتے ہیں کسی دوسرے فرقہ میں نظر نہ آئیگا۔ قوت القلوب اور رسالہ قشیریہ اور احیاء العلوم وغیرہ کتب صوفیہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو انہیں کاموں میں وقف کر دیا تھا اس حدیث پر اور ان حضرات کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ بات مبرہن ہو جائے گی کہ اصول تصوف یہی ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں جن پر ان حضرات نے پورا پورا عمل کیا اس سے ظاہر ہے کہ اگر الفاظ اور اصطلاح سے قطع نظر کیا جائے تو حقیقی شیعہ صوفیہ کرام ہیں۔

کلینی صہ ۴۹۴ میں مہزم اسدی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا کہ ہمارے شیعہ وہ ہیں کہ کُتّے کی طرح روتے نہیں اور کوّے کی طرح طمع نہیں کرتے اور ہمارے دشمنوں سے کچھ نہیں مانگتے اگرچہ مرجائیں۔ میں نے کہا ایسے لوگوں کو کہاں ڈھونڈوں۔ فرمایا اطراف زمین

یعنی جنگلوں اور پہاڑوں ہیں۔ ان لوگوں کی معیشت بہت کم درجہ کی ہے۔ مقامات ان کے بدلتے رہتے ہیں۔ اگر وہ شہروں میں آجائیں تو کوئی ان کو نہ پہچانے اور اگر چلے جائیں تو کوئی ان کو ڈھونڈھتا نہیں۔ موت سے وہ گھبراتے نہیں قبرستان میں وہ باہم ملاقات کرتے ہیں اگر کوئی محتاج ان کے پاس آجائے تو وہ اس پر رحم کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اختلاف نہیں اگرچہ مختلف مقامات کے ہوں انتھی ملخصاً۔

کتب صوفیہ اور حلیۃ الاولیاء ابونعیم رحمہ اللہ علیہ جو کتب حدیث میں مشہور کتاب ہے۔ اور دیگر تراجم اولیاء اللہ دیکھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ یہی حضرات ان صفات کے ساتھ متصف تھے۔ صوفیہ میں جو حضرات درجۂ کمال اور ولایت کو پہنچے وہ نتیجہ انہیں اعمال اور ریاضتوں کا تھا۔

کلینی ص ۴۰۳ میں ہے کہ ابوجعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وماتنال ولایتنا الا بالورع والعمل یعنی بغیر ورع اور عمل کے ہماری ولایت حاصل نہیں ہوسکتی انتھی۔

اس ارشاد سے ظاہر ہے جو سنا جاتا ہے کہ سوائے ائمہ کرام کے کوئی ولی نہیں ہوسکتا وہ بے اصل بات ہے کیونکہ ائمہ کرام کی تصریح سے ثابت ہے کہ جو ورع اور عمل کرے بفضل الٰہی اُس ولایت کو حاصل کرسکتا ہے۔ جس کے ساتھ وہ حضرات متصف تھے۔

و کیفیت

کلینی ص ٢٢٤ میں ہے عن ابی حمزۃ قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام ان شیعتنا الخرس یعنی ابوجعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے شیعہ گونگے ہوتے ہیں انتہیٰ۔

حضرات صوفیہ کا بھی قول ہے من عرف اللہ کل لسانہ

و اظہار شیعہ

کلینی ص ٣٩٩ میں ہے روی عن علی بن ابی محمد رفعہ قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ان قوماً من موالیک یلمون بالمعاصی ویقولون نرجو فقال کذبوا لیسوا بموال اولئک قوم ترجحت لھم الامانی من رجا شیئاً عمل لہ ومن خاف شیئاً ھرب منہ یعنی ابی عبد اللہ علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ کے دوست شیعہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خدا سے امید ہے فرمایا وہ جھوٹے ہیں ہمارے دوست نہیں۔ ہوس ان لوگوں پر

غالب ہوگئی ہے جو شخص کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسکے لئے عمل کرتا ہے اور جو کسی چیز سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا ہے انتھیٰ۔

دیکھئے معمولی لوگوں کو جو گناہوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتے شیعہ سے خارج فرمادیا اور اپنے موالی میں انہیں حضرات کو شریک فرمایا جو عباد و زہاد ہیں۔

فضیلت تقویٰ

کلینی ص ۳۴۴ میں ابو جعفر علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے لیس لاحد فضل الا بالتقوی یعنی کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے آپ نے قاعدہ کلیہ فرمادیا کہ جو تقویٰ کرے وہی افضل ہے حق تعالےٰ فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

کلینی ص ۴۹۸ میں فضیل بن یسار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ کو مرض موت لاحق تھا۔ آپ نے فرمایا اے فضیل اگر خدائے تعالےٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر دنیا کی قدر ہوتی تو اپنے دشمن کو اس سے ایک پیالہ پانی کا نہ پلاتا اور فرمایا اے فضیل جس کی توجہ ایک ہی طرف ہو۔ یعنی خدائے تعالےٰ

و توجہ الی اللہ

کی طرف تو وہ اس کے تمام حاجتوں میں کافی ہوتا ہے اور جسکی توجہ ہر طرف ہو تو وہ جس وادی میں ہلاک ہو جائے خدا کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ انتھیٰ۔

یہ آپ کی آخری نصیحت حضرات شیعہ کو تھی جس پر اولیاء اللہ نے پورا عمل کیا اور دنیا سے منہ موڑ کر ایک ہی کام کے ہو رہے ایسے حضرات جس زمانے میں نظر آئیں گے صوفیہ کرام ہی ہوں گے۔ کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد اسی قسم کے امور پر ہے۔ ہر چند کہنے کو تو سب یہی کہتے ہیں کہ بندہ کو خدا کی طرف پوری توجہ چاہیئے مگر جب اپنے حالات کی تفتیش کر کے اولیاء اللہ کے حالات کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

کلینی ص ۴۹۶ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے۔ المومنۃ اعز من المومن والمومن اعز من الکبریت الاحمر فمن رای منکم الکبریت الاحمر۔ یعنی ایمان دار عورت ایمان دار مرد سے زیادہ نادر الوجود ہے اور ایمان دار مرد کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر الوجود ہے تم میں سے کسی نے

اخفائے اسرار ائمہ

کبریت احمر دیکھی ہے؟ انتھے۔

مومنین سے مراد کامل الایمان حضرات ہیں ان کی بھی یہی حالت ہے کہ کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر الوجود ہیں اسی وجہ سے اسرار باطنی جو سینہ بسینہ ان حضرات کو پہنچے ہیں یا الہامی طور پر من جانب اللہ ان کا القا ہوا تھا وہ ہر کسی کو بتلاتے نہ تھے اس لئے کہ ہر کسی میں صلاحیت نہیں۔

کلینی ص ۴۹۶ میں ہے عن ابن رباب قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول لابی بشیر اما واللہ لو اطاع احد منکم ثلثۃ مومنین یکتمون حدیثی ما استحللت ان اکتمھم حدیثاً یعنی ابا عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں تم لوگوں میں سے تین شخص ایسے ایماندار پاتا جو میری بات کو چھپا سکیں تو کسی بات کو چھپانا حلال نہ سمجھتا انتھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام اپنے معمولی ملنے والوں کو اسرار باطنی سے کوئی بات نہیں بتائی اور کیونکر بتاتے ان لوگوں کو اسرار الٰہی سے تعلق ہی کیا وہاں تو خاص غرض یہی تھی کہ محبت اہل بیت کرام کو تحصیل

سلطنت کا ذریعہ بنائیں اسیوجہ سے ان حضرات نے کسی موقع میں تصریح بھی کردی کہ یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور دوست فرمایا تو ان لوگوں کو جو پہاڑوں اور جنگلوں میں رہکر عبادت الٰہی میں مشغول ہیں چونکہ ان لوگوں کا خیال یہی تھا کہ یہ حضرات بھی اپنی طرح طالب ریاست ہیں۔ اس لئے اخفائے اسرار کا مطلب یہ سمجھا کہ اگر اپنا ارادۂ خروج بادشاہوں کو معلوم ہو جائے تو قتل ہی کرڈالیں گے۔ اسیوجہ سے کسی ملنے والے پر بھروسہ نہ کرکے تقیہ کیا کرتے اور اپنے دل کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ حضرات راہ خدا میں جان دینے کو شہادت سمجھتے اور کسی سے خوف نہیں کرتے تھے

تقیہ کا اصل راز

کلینی صفحہ ۳۹۴ میں ابی بصیر سے روایت ہے کہ ابوعبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر چیز کیلئے ایک حد مقرر ہے؟ میں نے عرض کی توکل کی کیا حد ہے فرمایا یقین پھر میں نے عرض کی یقین کی کیا حد ہے؟ فرمایا الّاتخاف مع اللہ شیئاً یعنی باوجود خدائے تعالیٰ کے کسی چیز کا خوف تمہیں نہو۔ اب کہئے کہ کیا ان حضرات کا یقین ایسا بودا ہوسکتا ہے کہ بادشاہ تو بادشاہ اپنے رفقا سے یہ خوف کرتے ہوں کہ کہیں گرفتار نہ کرادیں۔

حد توکل و یقین

کلینی صفحہ ۳۹ میں مروی ہے۔ کان امیر المومنین یقول

لا یجد عبد طعم الایمان حتّٰی یعلم ان ما اصابہ لم

یکُنْ لیخطأہ وان ما اخطأہ لم یکُنْ لیصیبہ وان

الضار والنافع ھو اللہ عزوجل۔ یعنی علی علیہ السلام فرماتے

تھے کہ کوئی بندہ ہرگز ایمان کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا جبتک کہ یقیناً نہ جان لے

کہ جو کچھ مصیبت اسے پہنچی ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتی تھی اور جو ٹل گئی وہ کبھی نہیں

پہنچ سکتی تھی اور نفع اور ضرر دینے والا فقط خدائے عزوجل ہے انتھی

دیکھئے جب تک نافع اور ضار خدائے تعالیٰ نہ سمجھا جائے

ایمان کا ذائقہ ہی حاصل نہیں ہو سکتا تو ان حضرات کامل الایمان

کے نسبت یہ کیونکر خیال کیا جائے کہ اپنے رفقاء کو ضار

سمجھکر تقیہ کرتے ہونگے پھر ان حضرات کو موت سے خوف

ہی کیا وہ صادق تھے اس لئے موت کی تمنا کیا کرتے تھے

کما قال تعالیٰ فتمنّوا الموت ان کنتم صادقین

وہ جانتے تھے کہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

ابھی معلوم ہوا کہ شیعہ کے اوصاف میں یہ بھی فرمایا ہے

کہ وہ موت سے گھبراتے نہیں پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ خود

گھبراتے ہوں۔ غرضکہ یہ اسرار کچھ اور ہی تھے۔ مگر لوگوں نے

طلب ریاست سے اُسے متعلق کر دیا۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

کلینی صفحہ ۳۴۵ میں روایت ہے ابو جعفر علیہ السلام سے
آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں
پوچھا کہ یا رب تیرے نزدیک مومن کا کیا حال ہے ارشاد
ہوا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو میرے ولی کی اہانت
کرے وہ میرے مقابلہ کے لئے میدان میں آ کھڑا ہو میں
اپنے اولیا کی نصرت بہت جلد کرتا ہوں مجھے کسی بات
میں ایسا تردد نہیں ہوتا جیسے اُس مومن کی وفات کے وقت
ہوتا ہے جو موت کو مکروہ سمجھتا ہے اور میں اُسے رنجیدہ کرنا
مکروہ سمجھتا ہوں۔ بعض میرے بندے مومن ایسے ہیں کہ ان کے
حق میں تونگری اصلح ہے اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو وہ ہلاک
ہو جائیں گے اور بعض کے حق میں فقر اصلح ہے اگر میں ان کو
غنی کر دوں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ میرے تقرب کے
لئے فرائض سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہیں اور بندہ
نوافل ادا کر کے مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ
میں اسے دوست رکھتا ہوں پھر جب میں دوست رکھتا ہوں
تو میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور

بصارت ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے۔ اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اگر وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو جواب دیتا ہوں اور اگر وہ مجھسے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں۔ انتھیٰ۔

یہ روایت فقط حضرات شیعہ ہی کی کتابوں میں نہیں بلکہ اسی مضمون کی روایت اہل سنت کے کتب صحاح میں بھی موجود ہے

غرضکہ اسرار یہ ہیں کہ جن کا مطلب سمجھنا مشکل اور بیان کرنا متعذر ہے ابتدائے سلوک سے اس درجہ کو پہنچنے تک اقسام کے واردات اور مشاہدات سالک کو پیش آتے ہیں جو بیان کئے جائیں تو بادی النظر میں قابل تکفیر معلوم ہوتے ہیں اگر ان امور کا اظہار کیا جائے تو شریعت میں رخنہ پیدا ہوتا ہے اس لئے ائمۂ کرام ان کے اخفا میں کمال درجہ کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ مگر جو لوگ ان اسرار سے واقف نہیں انہوں نے سمجھ لیا کہ خانگی امور میں ائمہ تقیہ کیا کرتے ہیں۔

کلینی صہ ۵۵۲ میں روایت ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسرار کا شایع کرنے والا شکی ہے اور جو اس کا اہل نہو اس کے روبرو ظاہر کرنے والا کافر ہے اور جو شخص عروۂ وثقیٰ

کو مضبوط پکڑے اسکو نجات ہے۔ نضر جو راوی حدیث ہیں
کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا عروۂ وثقی کیا ہے فرمایا تسلیم انتہیٰ۔
یعنی جو کچھ پیر کامل نے بیان کیا وہ قبول کرلیا جائے۔ ائمۂ کرام
جو مکاشفات اور مشاہدات بغرض تعلیم مریدوں سے بیان
فرماتے تھے کہ سالک کو ایسے ایسے امور پر اطلاع ہوا کرتی ہے
بعضے لوگ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے کسی ذی علم کے روبرو
اس غرض سے بیان کر دیتے تھے کہ شاید وہ کسی قسم کی توجیہ
کر کے سمجھا دے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسکو مرشد کے کلام
میں شک ہے اس لئے صاف فرمادیا کہ اسرار کو شایع کرنے والا
شکی ہے اور نا اہل کے روبرو بیان کرنا اس وجہ سے کفر
ہوگا کہ اس قسم کی باتوں کو سنکر وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور لوگوں کو
بھی گمراہ کرے گا۔ چنانچہ بعضے متصوفہ کا حال دیکھا جاتا ہے
کہ تصوف سے استدلال کر کے نماز روزہ وغیرہ وامر و نواہی
کو معاذ اللہ فضول بتاتے ہیں۔ اور شریعت کی توہین کرتے
ہیں جو یقیناً کفر ہے۔ غرضکہ مرید صادق کو ضرور ہے کہ ان اسرار کو
جو پیر کامل بیان کرے تسلیم کرے اور فرائض اور کثرت
نوافل سے تقرب الٰہی حاصل کرتا جائے تاکہ اسکو بھی وہ درجہ

حاصل ہو جس کا حال حدیث قدسی میں مذکور ہوا کہ خدائے تعالےٰ اس کی سمع ، بصر وغیرہ ہو جاتا ہے۔

کلینی صہ ۲۵۵ میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک ایک سر ہے اسرار الٰہی سے جس کے پہنچانے کے ہم مامور ہیں چنانچہ وہ ہمنے پہنچا دیا مگر ہم نے نہ اوس کا محل پایا نہ اس کے اہل نہ اسکو اٹھانے والے یہاں تک کہ ایسے لوگوں کو خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا جن کی تخلیق طینت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور ذریت کی طینت سے ہوی اور اُس نور سے پیدا ہوئی جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و ذریت پیدا ہوی چنانچہ انہوں نے قبول کیا انتھیٰ۔

یہ وہی حضرات راسخ الاعتقاد ہیں۔ جنہوں نے پیران عظام کے ارشادات کو تسلیم کر کے تصوف میں علماً و عملاً کمال پیدا کیا اور اسرار و انوار حاصل کئے اور ائمہ کرام نے اون کی تعلیم معنوی میں دلدہی کی۔

کلینی صہ ۴۸۵ میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تقیہ مسلمانوں کی سپر اور ایمان کا بچاؤ ہے۔ جس نے

تقیہ نہیں کیا اُسے ایمان ہی نہیں ہماری کوئی بات اگر کسی کو معلوم ہوئی اور وہ اوسکو پوشیدہ رکھا تو وہ دنیا میں عزیز ہوگا اور آخرت میں اس کے لئے نور ہوگا اگر اسکو شایع کیا تو دنیا میں ذلیل ہوگا اور وہ نور خدائے تعالےٰ اس سے چھین لے گا انتہیٰ۔

غرضکہ اسرار طریقت چھپانے کی نہایت تاکید ہے اور اسیکا نام تقیہ ہے کیونکہ اگر وہ نہ چھپائے جائیں تو وہی اسرار جو نتیجہ قرب الٰہی تھے باعث الحاد و زندقہ ہو جاتے ہیں اسیوجہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر محققین نے تصریح کردی ہے کہ ہر کوئی ہماری کتابیں دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لئے ایسے لوگوں پر ان کتابوں کا دیکھنا حرام ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے عن ابی ھریرۃ رض قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا الحلقوم

یعنی ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

تقیہ کی حقیقت

اخفائے اسرار و ابوہریرہ

علیہ وسلم سے مجھے دو قسم کے علم پہنچے ہیں ایک وہ کہ میں اُسے شایع کرتا ہوں دوسرا وہ ہے کہ اگر اسکو شایع کروں تو میرا گلا کاٹا جائے گا۔

حلیۃ الاولیا میں ابو نعیم سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پانچ جراب علم پہنچائے یعنی پانچ کشتیاں اس میں سے دو جراب میں نے ظاہر کئے اگر تیسرا جراب ظاہر کروں تو تم لوگ مجھے رجم کروگے۔

حلیۃ الاولیاء میں روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر میرے تمام علم پر تم مطلع ہو جاؤگے تو میرے سر پر خاک ڈالوگے۔

حلیۃ الاولیا میں ابو حذیفہ رض کا قول مروی ہے اگر میں چاہوں تو ہزار باتیں ایسی بیان کروں کہ تم ان کی تصدیق کروگے بلکہ میرے ہاتھ پر بعیت کرکے میری مدد کروگے اور ہزار باتیں ایسی بیان کرسکتا ہوں کہ تم ان کی تکذیب کرکے مجھ سے بیگانگی اختیار کرسکوگے اور گالیاں دوگے حالانکہ وہ بھی صدق اور خدا و رسول ہی کے اقوال ہیں۔

حلیۃ الاولیا میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن سات حرف پر نازل ہوا ہر حرف کے لئے ظاہر

وباطن سے ہے اور علی کرم اللہ وجہہ کو اوس کے ظاہر اور باطن کا علم ہے۔

جامع الصغیر میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ علم باطنی اسرار الٰہیہ سے ایک سر ہے خدائے تعالیٰ جس بندہ کو چاہتا ہے اوس کے دل میں وہ ڈالدیتا ہے۔

فتوحات مکیہ کے تیسویں (۳۰) باب میں ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھکر فرمایا کہ اس میں کثرت سے علوم بھرے ہیں کاش میں ایسے شخصوں کو پاتا جو اونکا بار اوٹھا سکیں اور جنید بغدادی رح کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی شخص درجۂ حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا جبتک ہزار صدیق اس کے زندیق ہونے پر گواہی ندیں اور عبد اللہ بن عباس رض کا قول نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ آیۂ شریفہ اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن یتنزل الامر بینہن اس کی تفسیر اگر میں بیان کروں تو تم لوگ مجھے رجم کروگے اور ایک روایت میں ہے کہ کافر کہوگے اور امام علی بن الحسین زین العابدین رض یہ اشعار پڑھتے تھے۔ شعر۔

یا رب جوہر علم لو ابوح بہ	لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا
ولا ستحل رجال المسلمون دمی	یرون اقبح ما یوتونہ حسنا

یعنی اگر میں جوہر علم بیان کروں تو مسلمان لوگ مجھے بت پرست کہینگے اور مجھے قتل کر کے کہینگے ہم نے یہ اچھا کام کیا۔

طبقات میں امام شعرانی رح نے لکھا ہے کہ جنید بغدادی رح شبلی رح سے کہا کرتے تھے کہ سر آلہی کا افشا محجوبین میں نہ کرنا۔

طبقات میں ابو عمرو عثمان بن مرزوق رح کے حال میں لکھا ہے کہ ان کے مریدوں نے ایک روز بالاتفاق کہا۔ آپ حقائق میں گفتگو نہیں کرتے فرمایا۔ آج میرے اصحاب کتنے ہیں کہا چھہ سو (۶۰۰) فرمایا ان میں سے سو کا انتخاب کرو اسکے بعد فرمایا ان میں سے بھی بیس کا انتخاب کرو پھر فرمایا کہ ان میں سے بھی چار شخصوں کو منتخب کرو جو تمام مریدوں میں اعلی درجہ کے باخدا اور مرتاض ہوں۔ چنانچہ ابن العسقلانی وغیرہ منتخب کئے گئے فرمایا اگر حقائق کی ایک بات ان سے کہوں تو یہی چار حضرات سب سے پہلے میرے قتل کا فتوی دیں گے۔ یہی بات ہے جو کلینی ص ۲۲۱ میں ابو الحسن موسی علیہ السلام سے مروی ہے فان

اذاعوا فهو الذبح واستاربيده الى حلقه یعنی اگر لوگوں نے ہمارے اسرار کو ظاہر کردیا تو ہمارا گلا کاٹا جائیگا جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ راز کی باتیں بیان کروں تو میرا گلا کاٹا جائے گا۔ الحاصل علوم اسرار کا وجود سنیوں کی بخاری حلیۃ الاولیا وغیرہ سے اور حضرات شیعہ کی کلینی وغیرہ سے ثابت ہے کسی فرقہ کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا البتہ علمائے ظاہر اور حضرات شیعہ کو تعیین مصداق میں کلام ہے اور اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ جن ریاضات و مجاہدات سے یہ علم حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ ان حضرات سے تو ہو نہیں سکتے آخر بمصداق اَلْاِنْسَانُ عَدُوٌّ مَا جَهِلَ اس فن کے دشمن ہی ہو گئے اور انگور کھٹے ہیں کی مثل صادق آگئی۔ اور جن علمانے مثل امام غزالی وغیرہ مجاہدات کئے وہ کامیاب ہوئے جیسا کہ ان کی تصانیف سے ظاہر ہے جو لوگ اپنے آپ کو شیعہ کر ائمہ کرام میں شریک کرتے تھے حالانکہ وہ دراصل شیعہ نہیں تھے جس کا حال ائمہ کرام کی تصریح سے ابھی معلوم ہوا انہوں نے اخفائے اسرار کا مطلب تقیہ قرار دیا اور اسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کیا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کے

خوف کے مارے علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ نہ بنا سکے اور تنہائی میں
ان کی تسلی کے لئے ایسی باتیں کہتے تھے کہ اگر وہ ظاہر ایمان
کرتے تو فتنہ کا خوف تھا کیوں کہ وہ دونوں صاحب اگر بگڑ جاتے
تو سب معاملۂ نبوت معاذ اللہ درہم و برہم ہو جاتا پھر علی کرم اللہ
وجہہ نے خلفائے ثلثہ کے ہاتھ پر جو بیعت کی وہ بھی تقیہ تھا
اور اس کے سوا جتنی روایتوں میں علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر
ائمۂ کرام کا خلفائے ثلثہ کی مدح کرنا ثابت ہے وہ سب
تقیہ تھا جن کا مطلب یہ کہ ائمۂ کرام کا کوئی قول و فعل قابل اعتماد
نہیں اور معاذ اللہ ان حضرات کے کارروائیاں اس قابل تھیں
کہ مخالفین ان کو منافقانہ سمجھیں نعوذ باللہ من ذالک ۔
الحاصل تقیہ سے مقصود ائمۂ کرام کا اخفائے اسرار تھا کہ سالکین
راہ طریقت و حقائق پر وقتاً فوقتاً منکشف ہوتے رہتے ہیں جس کا
بیان عام مسلمانوں کو ضرر رساں ہے اور کلینی صفحہ ۲۵۳ میں روایت
ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے
علی بن حسین علیہما السلام سے تقیہ کا ذکر کیا فرمایا خدا کی قسم
اگر ابو ذر رضہ کو وہ علوم معلوم ہوتے جو سلمان فارسی کو معلوم
تھے ان کو قتل کر ڈالتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان دونوں میں مواخاۃ قائم کی تھی۔
جب ان لوگوں کا یہ حال ہو تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ علمار کا علم بہت سخت ہے سوائے نبی مرسل یا ملک مقرب یا اس مومن کے جس کے دل کو خدا نے آزما لیا ہو کوئی نہیں اُٹھا سکتا اس سے ظاہر ہے کہ تقیہ سے مراد ان علمی اسرار کا چھپانا ہے جو علمای باللہ پر منکشف ہوتے ہیں۔ غرضکہ ائمہ اطہار کے وہی اصول تصوف ہیں جن پر اولیاء اللہ کاربند ہیں اگرچہ کہ احادیث مذکورۂ بالا سے بھی یہ مطلب ثابت ہے مگر اور چند احادیث یہاں لکھے جاتے ہیں۔ جن سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہو جائے گی۔
کلینی صفحہ ۴۸۸ میں یہ روایت ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام ایک روز خطبہ پڑھ رہے تھے۔ عین خطبہ میں ہمام نے پوچھا کہ مومن کے ایسے صفات بیان فرمائیے کہ وہ ممتاز ہو جائے فرمایا اے ہمام وہ ایک سمجھدار شخص ہوتا ہے جسکا چہرہ تروتازہ ہوتا ہے مگر دل میں حزن بھرا ہوا سب سے زیادہ وہ اپنے نفس کو ذلیل سمجھتا ہے۔ جو چیز فنا پذیر ہو اس سے نفس کو زجر اور ہر اچھی چیز کی طرف ان کو راغب کرتا ہے وہ نہ کسی

کسی سے کینہ رکھتا ہے نہ حسد نہ کسی کو گالی دیتا ہے نہ کسی کا
عیب بیان کرتا ہے۔ اپنی رفعت کو مکروہ سمجھتا ہے اکثر خاموش
اور خدائے تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ صابر شاکر
اپنی فکر میں مغموم اور اپنے فقر کے ساتھ خوش۔ اس سے اذیت
بہت کم پہنچتی ہے۔ غصہ کی حالت میں وہ نہایت نرم محبت
اس کی خالص وعدہ اس کا مضبوط اپنی خواہشوں کے مخالف
اپنے ماتحت پر رحم دل لایعنی باتوں میں خوض نہیں کرتا خرچ
بہت کرتا ہے مگر بلا اسراف۔ خلق اللہ پر نرمی کرنے والا۔
ضعیفوں کا مددگار۔ کسی کی پردہ دری نہیں کرتا بھید کو چھپا رکھتا
ہے اگر خیر کسی سے دیکھتا ہے تو اس کا ذکر کرتا ہے اور
شر دیکھتا ہے تو اس کو چھپاتا ہے۔ کسی سے لغزش اور قصور
ہو تو معاف کر دیتا ہے عذر کو قبول کرتا ہے۔ لوگوں کے
ساتھ نیک گمان بدگمانی سے دور دوستی رکھتا ہے تو اللہ
کے واسطے برائی کا بدلہ نہیں لیتا اس کا عفو دشمنی پر غالب
خدائے تعالے کا فرماں بردار اور ہر حال میں اس سے راضی
سِرّ و علانیہ میں لوگوں کا خیر خواہ امید اس کی بہت تھوڑی جو
کچھ مل گیا اسپر قانع لوگ اس سے راحت میں اگر کوئی اسیر

بغاوت کرے تو وہ صبر کرتا ہے اور گذشتہ اہل خیر کا مقتدی اور آنے والے اہل بہر کا وہ امام ہوتا ہے انتھیٰ ملخصاً۔

اب کہئیے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے مومن کو جو ممتاز کر کے بتایا تو کیا ہر شخص یہ دعوئے کر سکتا ہے کہ میں مومن اور ان تمام صفات کمالیہ کا جامع ہوں۔ اس زمانہ کو جانے دیجئیے یہ تو آخری زمانہ ہے اس میں ان صفات کے ساتھ متصف ہونا تو درکنار اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان صفات کی توصیف کرتا ہے تو وہ بیوقوف بلکہ پاگل خانہ میں بھیجنے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ زمانۂ سابق پر نظر ڈالی جائے تو وہاں کے بھی معدودے چند ہی نظر آئیں گے۔ چنانچہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے تمام شیعہ پر نظر ڈال کر فرمایا المومن اعز من الکبریت الاحمر ہاں اگر ان صفات کیساتھ متصف ہیں تو اولیاء اللہ ہیں فی الحقیقت ان کا پانا کبریت احمر کا پانا ہے۔ غرضکہ امیر المومنین کرم اللہ وجہہ چونکہ امام الاولیا ہیں اولیائے کامل الایمان کے اوصاف بیان فرما دئے تاکہ لوگ ان صفات کو حاصل کر کے درجۂ ولایت تک ترقی کریں۔

کلینی صفحہ ۴۹۱ میں روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام فرماتے

ہیں کہ مسلم وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان
سلامت رہیں۔

کلینی صفحہ ۳۹۷ میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام
سے کسی نے پوچھا کہ مومن کس طرح پہچانا جاتا ہے
کہ وہ ایمان دار ہے۔ فرمایا تسلیم سے کہ جو کچھ اسپر وارد ہو
خواہ خوشی ہو یا مصیبت سب پر وہ راضی ہو اور
تسلیم کرے۔

کلینی صفحہ ۵۰۴ میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ مصیبتیں اللہ کی طرف سے عطیات ہیں۔

اور اسی صفحہ ۵۰۶ میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام
نے فرمایا کہ خدائے تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے
فرمایا اے موسیٰ اگر تم دیکھو کہ فقر اور محتاجی متوجہ ہے تو کہو
مرحباً بشعار الصالحین اور جب دیکھو کہ غنا متوجہ ہے
تو کہو کہ کوئی گناہ مجھ سے ایسا صادر ہوا ہے جسکی عقوبت دنیا ہی
میں ہو رہی ہے۔

اور اسی صفحہ ۵۰۷ میں روایت ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ فقر مومنین کے لئے اعلیٰ درجہ کی زینت ہے

تنگی معیشت

اور اسی صـ ۵۰۶ میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر یہ شیعہ طلب رزق میں الحاح اور زاری نہ کرتے تو خدائے تعالیٰ ان کو حالت موجودہ سے بھی زیادہ تر تنگ حالت میں رکھتا۔

دنیا

اور اسی صـ ۵۲۹ میں روایت ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دینار و درہم نے پہلے امتوں کو ہلاک کیا اور وہ تمکو بھی ہلاک کرنے والے ہیں۔

اور اسی صـ ۵۰۹ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو دینار و درہم کی عبادت کرے۔ یعنی انہیں کے دھندے میں لگا رہے۔

زہد

اور اسی صـ ۴۳۰ میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایمان کی حلاوت تمھارے دلوں میں داخل ہونا حرام ہے جب تک کہ تم دنیا میں زاہد نہ بنو۔

اور اسی صـ ۱۴۴ میں روایت ہے ابو عبد اللہ علیہ السلام

سے کہ دعا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی رزق میرا اور میری آل کا اور
جس نے مجھے یا میری آل کو دوست رکھا بقدر کفاف ہو یعنی ضرورت سے زیادہ
رزق نہ ملے اور جو مجھے اور میری آل کو دشمن رکھے اسے مال اور اولاد دے انتہٰی
مطلب یہ کہ شیعہ کو سعادت دنیوی حاصل نہ ہو یہ دعائے مستجاب
ناطق ہے کہ اصلی شیعہ صوفیۂ کرام ہی ہیں جن کے مذہب
کی بنیاد فقر و فاقہ پر ہے۔ چنانچہ ان کے نام لیوا کچھ نہیں تو
تبرکاً اپنے آپ کو فقیر کہتے اور لکھتے ہیں اور گوڑری پہنتے
ہیں گو ہزار روپیہ قیمت کی کیوں نہ ہو غرضکہ ان کے عادات
اور اصطلاحات اور روزمرّہ کے حالات کا خیال اولیاء اللہ
کی جماعت کی طرف منتقل کر دیتا ہے ان حضرات کے بول
چال سننے سے اور اس کی معنی پر غور کرنے سے صاف معلوم
ہوتا ہے کہ جن حضرات کے واقعی حالات ایسے ہوں انکی
ولایت میں کوئی شک نہیں۔ روایات مذکورہ کے سوائے
زہد و قناعت و فقر کی ترغیب میں کلینی میں بکثرت روایتیں
وارد ہیں علی ہذا القیاس کتب حدیث اہل سنت میں بھی بھرے
ہوئے ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ جن حضرات نے
ان پر عمل کر کے خوشی سے فقر اختیار کیا سوائے زمرۂ صوفیۂ کرام

کے دوسرے لوگ بہت کم نظر آئینگے۔ ۔

کلینی ص (۵۸۵) میں ہے کہ ابوالحسن ماضی علیہ السلام فرماتے ہیں ہم لوگوں سے وہ شخص نہیں جو ہر روز نفس کا محاسبہ نکرے اس غرض سے کہ اچھا کام کیا ہے تو اللہ سے زیادتی طلب کرے اور برا کام کیا ہو تو مغفرت چاہے اور توبہ کرے یہ طریقہ خاص اولیاء اللہ کا ہے کہ سوتے وقت دن بھر کے کاموں کا محاسبہ کرلیا کرتے ہیں۔

الحاصل ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ ائمۂ کرام کا مسلک وہی ہے جو اولیاء اللہ کا مسلک ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ائمۂ کرام زمرۂ صوفیہ ہی میں محسوب ہیں اور شیعہ وہی حضرات ہیں جنہوں نے ائمۂ کرام کے اقوال اور افعال کی پیروی کی اور درجۂ ولایت تک پہونچ گئے۔

کلینی ص (۴۴۸) میں روایت ہے کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ خدائے تعالیٰ سے جو کچھ مانگے اسکو عطا ہو تو اسکو چاہئے کہ کل آدمیوں سے مایوس ہو جائے اور سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی سے کچھ امید نہ رکھے جب خدائے تعالےٰ اس کے دل کی حالت پر مطلع ہوگا تو

محاسبۂ نفس ۹

یاس از خلق ۹

جو کچھ وہ مانگے گا عطا ہوگا۔ انتہیٰ۔

یہ بات اولیاء اللہ کو حاصل ہے پہلے تو وہ مانگتے ہی نہیں اسلئے کہ جب خواہش سے فقر و فاقہ اور مصائب کو اختیار کیا تو کس چیز کے مانگنے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر مانگا بھی تو ایسی چیز جو دنیا سے متعلق نہیں اس لئے کہ دنیا تو پہلے ہی سے ان کے حق میں مبغوض اور جیفہ ہو چکی اب جو کچھ مانگینگے وہ بات ہی دوسری ہوگی اور خدائے تعالیٰ وہ ان کو عطا بھی کرتا ہوگا۔ اسی وجہ سے ان کے معاملات کچھ ایسے انوکھے ہوتے ہیں جو ہماری فہم و ادراک سے باہر ہیں۔

کلینی ص(۱۵۵) میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان کو اپنی حکومت وغیرہ کے دباؤ سے ڈرائے کہ میں تجھے یہ مصیبت پہنچاؤنگا تو وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا گو مصیبت نہ پہنچائے اور اگر مصیبت بھی پہنچائے تو فرعون اور آل فرعون کے ساتھ دوزخ میں رہے گا۔

دیکھئے اس روایت میں کس قدر تہذیب اور آسائش خلق مد نظر ہے کہ حکومت کا دباؤ بھی کسی پر ڈالا جانا ناگوار اور باعث

عذاب قرار دیا گیا۔ اب کیونکر خیال کیا جائے کہ ائمہ کرام کو اگر مدد ملتی تو کشت وخون کرکے سلطنت حاصل کرتے۔

حقوق مسلمان برمسلمان

کلینی ص(۴۵۹) میں روایت ہے کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چند حقوق یہ ہیں کہ اس سے دلی محبت رکھے اس کی غمخواری کرے۔ اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے اور مرجائے تو اسکی قبر پر زیارت کے لئے جائے اس کی تکذیب نہ کرے اسکو اُف نہ کہے اور اگر اسکو کہدے کہ تو میرا دشمن ہے تو دونوں میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس پر تہمت کرے تو ایمان اس کے دل میں ایسا گھل جاتا ہے جیسے نمک پانی میں۔ دیکھئے صرف دشمن کہدینا باعث تکفیر فرمایا پھر اگر دشمنی رکھی جائے تو کسقدر ناجائز ہوگا۔ یہ تمام صفات اولیاء اللہ کے ہیں چنانچہ ان حضرات کا قول ہے

شعر کفر است در طریقۂ ما کینہ داشتن   آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

جھگڑا نہ کرنا

کلینی ص(۴۸۱) میں روایت ہے کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے دین کے معاملہ میں لوگوں سے جھگڑا نہ کرو کیونکہ مخاصمت دل کو بیمار بنادیتی ہے۔ حق تعالے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا انک لاتہدی من احببت ولکن اللہ

یھدی من یشاء وقال افانت تکرہ الناس حتّٰی یکونوا مؤمنین

لوگوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ انہوں نے آدمیوں سے علوم حاصل کئے ہیں اور تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی علیہ السلام سے حاصل کئے ہیں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے لکھدیتا ہے کہ ہمارے طریقہ میں داخل ہو تو وہ اُس پرندے سے بھی جلد تر آتا ہے جو اپنے گھونسلے کی طرف جاتا ہے انتہیٰ۔

یہی مسلک اولیاء اللہ کا رہا ہے کہ نہ اعتقادات میں کسی سے بحث کرتے ہیں نہ اپنے طریقہ کی طرف کسیکو بُلاتے ہیں مگر طالبین حق جوق جوق ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور سینہ بسینہ جو علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تک پہنچے حاصل کرتے تھے اور ابتک وہی طریقہ جاری ہے۔

کلینی ص (۴۸) میں ہے کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ بندوں کے معاملہ کو خدائے تعالےٰ پر چھوڑ دو وہ جسکو چاہے ظلمت سے نور کی طرف لیجائے انتہیٰ ملخصاً۔

یہ طریقہ ولایت کیطرف اشارہ ہے ورنہ اسلام کی دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروریات دین سے ہیں برخلاف

اس کے طریقۂ ولایت کی تبلیغ بطور امر بالمعروف جائز نہیں کیونکہ ہر شخص میں یہ صلاحیت کہاں کہ غوامض شریعت کو سمجھے جس سے تقرب الی اللہ حاصل ہو جو اولیاء اللہ کے ساتھ مختص ہے۔

کلینی ص(۳۰۲) میں روایت ہے عبدالعزیز سے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان کے دس درجہ ہیں سیڑھی کی طرح کہ جو دوسرے درجہ پر ہے اسکو نچاہیئے کہ پہلے درجہ والے کو ساقط الاعتبار کردے۔ اگر ایسا کرے تو اس سے اوپر والا اسکو ساقط کردے گا بلکہ نیچے کے درجہ والے کو نہایت نرمی سے اوپر اٹھائے اور ایسا بار اس پر نہ ڈالے جس سے وہ شکستہ ہو کیونکہ جس نے توڑا اسکو ضرور ہوگا کہ پھر اسکو درست کردے انتہی۔

کلینی ص(۳۸۵) میں یہ روایت ہے کہ سراج جو ابو عبداللہ علیہ السلام کے خادم تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ اس کے قائل نہیں اسلئے ہم ان سے تبری کرتے ہیں فرمایا کیا وہ تم سے محبت رکھتے ہیں اور جو تم کہتے ہو وہ اس کے قائل نہیں اس لئے تم ان سے بیزار رہو۔ کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا ہمارے نزدیک بھی ایسے علوم

ہیں کہ تم ان کے قائل نہیں ہو تو کیا ہم بھی تم سے تبری کریں میں نے
عرض کیا یہ کیونکر ہو سکے فرمایا تو تمکو چاہیئے ان سے محبت رکھو
کیونکہ مسلمانوں میں اسلام سے کسی کو ایک حصہ ہے کسی کو دو کسی کو تین
کسی کو چار کسی کو پانچ کسی کو چھہ کسی کو سات حصہ ہیں یہ مناسب
نہیں کہ ایک حصہ والا مجبور کیا جائے ان امور پر جس پر دو حصہ
والا عمل پیرا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر کم درجہ والا اوپر کے درجہ
والے کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا انتہیٰ ملخصاً۔
مطلب یہ کہ مدارج ایمان میں تفاوت ہوا کرتا ہے۔ شعر

بر علوم غیب ہر کس چیر نیست
طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

خیر خواہی اسلام اسے کہتے ہیں کہ پہلے درجہ والا مسلمان
جو سب سے کم درجہ ہے سوائے عوام الناس کے اور کون
ہو سکتا ہے ان سے بھی محبت رکھنے کو فرمایا۔ اب ان سے
عداوت رکھنے کے لئے کوئی تدبیر نہیں بجز اس کے کہ کافر
بنائے جائیں اور یہ کہا جائے کہ عوام الناس کا کلمہ پڑھنا اور
نماز روزہ وغیرہ احکام اسلام ادا کرنا سب داخل نفاق ہے مگر
اس کا ثبوت نہ قرآن و حدیث سے مل سکیگا نہ عقل سے کیونکہ

منافق اسکو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خوف سے اعمال شرعیہ کو ظاہر کرے۔ اب اگر یہ سب منافق ہوں تو پوچھا جائے گا کہ انکو کس کا خوف ہے جس نے ضروریات دین کو ظاہر کرنے پر مجبور کیا۔ عقل یہی گواہی دیتی ہے کہ ان کو اس موقعہ میں صرف خوف خدا ہے جس نے اعمال شرعیہ اور ایمان اور اعتقاد کے ظاہر کرنے پر مجبور کیا ہے ورنہ وہ مثل کفار اپنے اعتقاد اور دوسرے دین کے اعمال ظاہر کرتے اور کھلم کھلا ان میں شریک ہو جاتے۔ غرض کہ ان کو منافق تو کسیطرح نہیں کہہ سکتے اب یا تو کافر کہئیے یا مسلمان مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے آپ کو وہ مسلمان کہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اسکو مانتے ہیں۔ قرآن کو کلام الٰہی اور واجب العمل جانتے ہیں تو ہم ان کو کافر بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ کفر اور ایمان کے سوا اور کوئی درجہ نہیں جس میں یہ داخل کیے جائیں۔

کلینی ص (۵۴۷) میں ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا تو اگر حقیقی کافر کو کافر کہا تو خیر ورنہ کفر اس کہنے والے کیطرف رجوع کرتا ہے اس لئے مسلمانوں پر طعن کرنے سے

بچاتے رہو۔ انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو کافر کہنا خود کافر بننا ہے بہرحال نہ ان کو منافق کہہ سکتے ہیں نہ کافر تو یہی کہنا پڑے گا کہ وہ مسلمان ہیں۔ البتہ ایمان میں مدارج ہیں جیسا کہ روایات سابقہ سے معلوم ہوا اس وجہ سے اکثر مسلمان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ گناہوں کی وجہ سے کافر ہو گئے اگر ایسا ہو تو کوئی مسلمان نہ رہے کیونکہ سوائے انبیاء کے کوئی معصوم نہیں۔

کلینی صفحہ (۵۸۹) میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایمان پورا ہو تو کوئی عمل ضرر نہیں دیتا۔ انتہیٰ۔

دیکھئے ائمہ کرام کی کسقدر شفقت اس امت مرحومہ پر ہے کہ غریب مسلمان جن کا سرمایۂ ایمان بہت کم ہے ان کو بھی اسلام کے عالیشان دربار میں ایک درجہ عطا فرمایا اور شیعۂ اہل بیت کو تقید کر دی کہ ان سے بھی محبت رکھا کریں۔ اور کافر بنانے والوں کو زجر کر دیا کہ خبردار کسی مسلمان کو کافر کہو گے تو تم کافر ہو جاؤ گے۔

کلینی صفحہ (۴۸۲) میں مروی ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے

فرمایا کہ ہمارے شیعہ وہی ہیں جو لوگوں کی بدگوئی اور تکفیر سے زبان روکتے ہیں اور جب کسی کا ذکر کرتے ہیں تو بھلائی سے کرتے ہیں انتہی۔

یہ صفت بھی خاص اولیاء اللہ کی ہے ورنہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بے سبب لوگوں کی برائیاں نُقل محفل ہوا کرتی ہیں۔

عداوت

کلینی ص(۵۲۲) میں ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کبھی جبرئیل میرے پاس آئے یہی کہا کہ آپ لوگوں سے عداوت رکھنے سے بچتے رہیئے انتہی۔

اس روایت سے تعلیم اُمّت مقصود ہے ورنہ حضرت کو عداوت سے کیا تعلق آپ تو سراپا رحمت ہیں۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام کا اس روایت کے بیان کرنے سے یہی مقصود تھا کہ شیعہ کسی سے عداوت نہ رکھیں یہ صفت بھی اولیاء اللہ ہی میں پائی جاتی ہے جو خاص شیعہ ہیں ورنہ ہم لوگ تو بات بات میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

بغض

کلینی ص(۵۴۲) میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے ایکدوسرے

سے بغض رکھنا مونڈ ڈالتا ہے بالوں کو نہیں مونڈتا بلکہ دین کو مونڈ ڈالتا ہے انتہیٰ۔

دیکھئے بغض کا کیسا برا اثر ہے کہ آدمی کو بے دین بنا دیتا ہے کلینی صں (۴۷۵) میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالیاں دینے والا اس شخص کے مانند ہے جو ہلاکت کے قریب پہنچ گیا ہو انتہیٰ۔

افسوس ہے کہ یہ حالت محسوس نہیں ہوتی اس لئے لوگ نہ زندوں کو چھوڑتے ہیں نہ مردوں کو البتہ اولیاء اللہ کو اس کا مشاہدہ ہوتا ہوگا اس لئے کبھی وہ ایسے ناشائستہ حرکات کے مرتکب نہیں ہوتے۔

کلینی میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی مذمت نکرو اور نہ ان کے عیوب کی تلاش کرو ورنہ خدائتعالیٰ تمہیں رسوا کرے گا۔ انتہیٰ ملخصاً۔

یہ بھی اولیاء اللہ ہی کا خاصہ ہے ورنہ عام مسلمان تو اکابر دین کے عیوب تلاش کرتے ہیں بلکہ فضائل کو عیوب کی شکل سے ظاہر

کرتے ہیں۔ چنانچہ حریز بن عثمان محدث کا قول تہذیب التہذیب
میں ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی
کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ فرمایا ہے انت منی بمنزلۃ ھارون
من موسیٰ۔ وہ حدیث تو صحیح ہے مگر سننے میں غلطی ہوئی
دراصل حضرت نے بمنزلہ قارون فرمایا تھا نعوذ باللہ
من ذالک۔ اسی طرح بہت سی روایتیں اکابر دین کی
نسبت تراشی گئیں۔ خلفائے راشدین نے اسلام میں جو جو
ترقیاں کیں اور تدین اور راست بازی سے کام لئے اظہر
من الشمس ہے یہاں تک کہ غیر ملت والے ان کی داد دیتے
ہیں۔ مگر حضرات شیعہ اور خوارج نے ان سالہا سال کی
کارگذاریوں میں تلاش کر کر کے دس بیس عیب ہر ایک
کے نکال ہی لئے حالانکہ انصاف کی نظر سے دیکھیں تو
وہ بھی عیب نہیں ہو سکتے۔ مگر چشم بد اندیش کا کیا علاج۔
کلینی ص (۵۴۵) میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالے
فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ایمان دار بندہ کو ذلیل کرنا چاہتا
ہے وہ میرے مقابلہ کے لئے میدان میں کھڑا ہو گیا۔ انتہی

تذلیل مؤمن

دیکھئے اس حدیث قدسی میں ایمان داروں کی تذلیل و توہین کی کیسی سخت وعید ہے جب عموماً ایمانداروں کا یہ حال ہو تو کبار صحابہ کی توہین و تذلیل میں کس قدر عتاب الٰہی کا اندیشہ ہے۔ اب رہی یہ بات کہ شیعۂ غالیہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو اور خوارج عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو نعوذ باللہ بے ایمان قرار دیکر توہین اور تذلیل کرتے ہیں سو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر قرار دینے سے توہین کی اجازت ہو جائے۔ اس لئے کہ ان حضرات کا بے ایمان ہونا قطعی طور پر تو ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا ان لوگوں کو چاہیئے کہ اس لاکھوں مسلمانوں کی جماعت پر نظر ڈالیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سے قائم ہے جن میں تمام صحابہ شامل تھے اور ان دونوں فریقوں کا اسوقت وجود بھی نہ تھا کیونکہ یہ دونوں فرقوں کی ابتدا ار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت سے ہوئی۔

ابوعبداللہ علیہ السلام کے ارشاد سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فرقے مشرک ہیں کیونکہ کلینی صفحہ ۵۶۲ میں ہے کہ ابوالعباس کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام

سے پوچھا کہ آدمی مشرک کب ہو جاتا ہے فرمایا کہ ادنیٰ یہ ہے کہ کوئی رائے ایسی نکالے جس سے کسی کا محبوب اور کسی کا مبغوض بنے انتہیٰ۔

دیکھئے یہ دونوں نئی رائیں تھیں یا نہ تھیں تاریخوں سے اسکی تصدیق کر لی جائے غرضکہ ان نئے فرقوں سے پہلے کے مسلمانوں پر نظر ڈالی جائے تو مبرہن ہو جائے گا کہ دونوں فرقوں کے معتمد علیہ یعنی چاروں صحابہ کے کامل الایمان اور اکابر دین ہونے پر لاکھوں اہل اسلام گواہی دے رہے ہیں جس سے ثابت ہے کہ ہر فرقہ کے بانیوں نے خود غرضی سے اکابر دین کو معاذ اللہ بے ایمان قرار دیا اب اگر لاکھوں کی گواہی کالعدم کر دی جائے اور قرائن قاطعہ مثل اشاعت اسلام وغیرہ بیکار کر دئے جائیں تو دنیا میں تو کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ مگر قیامت کے روز احکم الحاکمین کے مقابلہ میں کھڑا ہونا پڑیگا معلوم نہیں اُس روز کیا گذرے گی بہرحال عقل و احتیاط کا مقتضیٰ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان دین کی توہین سے بہت احتراز کرنا چاہیئے۔

کلینی صفحہ (۵۳۲) میں روایت ہے کہ سماعہ کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ

علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ تم فحش گوئی اور لعنت کرنے سے بچتے رہو یہ نہ میرا کام ہے نہ میں نے اپنے شیعہ کو اسکا حکم کیا انتہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن شیعہ کو آپ نے لعنت کرنے سے منع فرمایا انہوں نے اس کی تعمیل کی وہ شیعہ ہی دوسرے ہیں یعنی اولیاء اللہ جو کسی پر لعنت نہیں کرتے اگرچہ کہ اہل سنت لعنت کرنے سے نہایت بچتے ہیں یہاں تک کہ یزید پر بھی لعنت نہیں کرتے مگر اولیاء اللہ اس سے بھی زیادہ محتاط ہیں چنانچہ وہ شیطان پر بھی لعنت کرنے کو فضول سمجھتے ہیں۔

کلینی میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیبت مسلمان کے دین کو اس سے زیادہ جلد تباہ کرتی ہے جو پھوڑا کسی کے پیٹ میں ہو جائے۔ اور اسی میں ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص جو کچھ کسی مسلمان سے دیکھے یا سنے وہ کہدے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جنکی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ یعنی جو لوگ دوست رکھتے ہیں

کہ مسلمانوں میں بیحیائی شائع ہو ان کو درد دینے والا عذاب ہے انتہیٰ
دیکھئے باوجودیکہ اپنی آنکھ سے دیکھنے اور اپنے کان سے سننے
کے بعد آدمی کو یقین کامل ہو جاتا ہے مگر اس یقین کے بعد
بھی لوگوں کی برائیاں بیان کرنا جائز نہیں اور ارشاد ہے کہ ایسے
لوگ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے تو اب کہئے کہ صحابہ کی
برائیاں تیرہ سو سال کے بعد بیان کرنا کس قدر خطرناک ہوگا۔
خوارج کے پیشواؤں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ
کے فضائل کو نظر انداز کر کے ان کی برائیوں کو شایع کیا اسیطرح
فریق مقابل نے ان کے جواب میں خلفائے ثلثہ کی برائیوں کو
شایع کیا جب دیکھی ہوئی بات بیان کرنے میں عذاب الیم کی
وعید ہو تو ان دیکھی بات پر خدا جانے کیا ہوگا یہاں سے اہل
انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ اہل سنت نے جو طریقہ اختیار کیا وہ کیسا
اسلم اور قابل اطمینان ہے ان کو اس باب میں کسی قسم کا خوف ہی
نہیں اور اگر کسی موقع میں کوئی بے اعتدالی ان سے ہو بھی گئی
تو ان حضرات کو دعا دیکر یعنے رضی اللہ عنہم کہکر اسکا کفارہ کر لیتے
ہیں کیونکہ کلینی ص ۴۸۶ میں ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ غیبت کا کفارہ کیا ہے

فرمایا جسکی غیبت کی ہو اس کی مغفرت کے لئے دعا کرے یہ چند روایتیں
جو لکھی گئیں ان سے ظاہر ہے کہ ائمہ کرام کی طرز معاشرت اعمال واحوال میں
کس قسم کی تھی اہل سنت وجماعت ہیں جو اولیا اللہ ہیں ان حضرات کے طریقہ کو
پورا اختیار کیا۔ اور اس پر عامل وکاربند رہے اور یہ ان حضرات کا فیضان
معنوی تھا۔ کلینی صفحہ (۲۴۷) میں ہے۔ کہ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں۔
کہ خلق ارواح شیعتنا من طینتنا یعنے ہمارے شیعہ کی ارواح ہماری طینت سے
پیدا ہوئیں اسی مناسبت کی وجہ سے وہ اعمال شاقہ اولیا اللہ پر آسان
ہو گئے۔ الحاصل اہل بیت کرام کی امامت معنوی تھی جسکی نسبت حضرت
امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ائمہ قلوب ہیں اور بیعت بھی
ان حضرات کی تو صرف وہی بیعت ہے۔ جو مشائخین میں اب تک
مروج ہے اور اولیاء اللہ کے ذریعے سے جاری رہی۔
اس طریقہ کے صدر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں کیونکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو امام الاولیاء فرمایا ہے۔ اسوجہ سے
تقریباً کل طریقے اور سلاسل الٰہی آپ ہی کی ذات مفیض البرکات کی طرف
منسوب اور مستند ہیں۔ مگر ابن سبا نے جو تخم بویا تھا۔ اور اسکی کلٹیاں قائم
ہو گئی تھیں انھوں نے لفظ امامت سے اپنا مطلب نکالا۔ اور اس مسئلہ پر
ایسا زور دیا کہ مسلمانوں میں بیحد فساد اور تلاطم عظیم برپا ہوا۔ کہ جسکی

اصلاح ممکن نہیں معلوم ہوتی۔

ہر چند ظاہراً اس مسئلہ سے اہل بیت کرام کی تعظیم و تکریم تو نہایت درجہ کی ہوئی مگر ابن سبا کا مقصود اس سے کچھ اور ہی تھا اس نے دیکھا کہ یہی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ عام خونریزیوں کا سرچشمہ بن سکتا ہے اس لئے جب عموماً سادات امامت کے مستحق ہوں اور بادشاہ وقت غاصب امامت سمجھا جائے تو سوائے چند نفوس قدسیہ کے ایسے کون ہونگے جنکو حکومت کا خیال نہ ہو اکثر سادات اپنے چند معتقدوں اور مریدوں کی تائید سے اپنا حق لینے کو خروج کرینگے اور اہل نفوس قدسیہ اگر طالب نہ بھی ہوں تو ان کے سہارے میں دوسرے لوگ اپنا مطلب نکال لینگے۔ پھر سیادت کوئی محسوس چیز تو ہے ہی نہیں۔ بعضے خبیث النفس ایسے بھی ہونگے کہ اپنے آپ کو سید مشہور کر کے دعوائے امامت کرینگے۔ پھر جب مدعیان امامت کی کثرت ہوگی تو ان میں باہمی مخالفتیں ضرور پیدا ہونگی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سلاطین سادات کرام کے دشمن ہو کر ان کے آزار اور قتل کے درپے ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ منصور نے حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کی تمام اولاد کو محبس میں قید کر دیا جیسا کہ تاریخ کامل سے ظاہر ہے اور تعجب نہیں کہ ان حضرات کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تاکہ صفحۂ زمین پر

اہلبیت کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔

غرضکہ ابن سبا نے اس تدبیر میں دو منفعتیں سوچیں ایک یہ کہ سادات کرام سلاطین اسلام کے ہاتھ سے قتل کئے جائیں اور کم سے کم اتنا تو ضرور ہو کہ ان کے ہاتھ سے سخت مصیبتوں اور ذلت و خواری میں مبتلا رہیں۔ اور دوسری یہ کہ مسلمانوں میں خونریزی کا سلسلہ جاری رہے جس سے یہودیوں کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور ایسا ہی ہوا کہ ان مخالفتوں سے لاکھوں مسلمانوں کی خونریزی ہوئی چنانچہ کتب تواریخ سے ظاہر ہے۔ اس مسئلہ کی بدولت جن لوگوں نے موقعہ پاکر خونریزی کی اس کے نظائر بہت سے ہیں منجملہ ان کے ایک مختار کا واقعہ ہے جسکو تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ مختار بن عبید جو پہلے خارجی تھا۔ اسکو ابتدا سے حکومت کا شوق تھا اس غرض سے اُسنے زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی

ابن زبیرؓ ۱۲

مگر وہ غرض پوری نہ ہوئی پھر جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ جانکاہ نے مسلمانوں کے دلوں کو غمگین اور بیخود کردیا۔ اور دیکھا کہ شیعہ اہل بیت کے دلوں میں جوش و خروش ہے تو شیعی ہوگیا۔ چنانچہ کوفہ وغیرہ میں شیعہ کے مجمعوں میں جاکر اس واقعہ پر نہایت درجہ غم کا اظہار اور گریہ و زاری کرتا جس سے انکا میلان اسکی طرف ہوا۔ پھر ظاہر کیا کہ محمد بن حنفیہؒ جو امام وقت ہیں اُنھوں نے اہلبیت کے خون کا بدلہ

لینے کے لئے مجھے مامور فرمایا ہے۔ چنانچہ شیعہ کو فراہم کرکے خوب خونریزی کی اس ضمن میں یہ کام تو کیا کہ جتنے اہلبیت کے قتل میں شریک تھے انکو چن چن کر قتل کی سزادی جس سے محبین اہلبیت کے دلوں کو تشفی ہوئی۔ مگر اور بیگناہ لوگ بھی بہت سے مارے گئے۔ اس جنگ سے اسکو سوائے حکومت حاصل کرنے کے اور کوئی مقصود نہ تھا۔ اس لئے کہ شیعیت تو درکنار اسکے اسلام میں بھی کلام ہے۔ چنانچہ اس سے ظاہر ہے کہ کبھی کہتا کہ مجھکو وحی ہوئی ہے۔ کہ فلاں کام ایسا ہوگا۔ اور کبھی کہتا کہ امام وقت یعنے محمد بن حنفیہ کے ذریعہ سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ فلاں کام ایسا ہوگا۔ پھر اگر اس کے خلاف میں کوئی بات ظاہر ہوتی اور لوگ اس سے پوچھتے تو جواب دیتا کہ بات وہی تھی مگر خدا کو یہ بات اب سوجھی ہے اس قسم کے خرافات جب محمد بن حنفیہ رح کو معلوم ہوئے تو آپنے اس سے تبری کی اسکے سوا اور بہت سے اموراس سے متعلق ملل ونحل اور تاریخ کامل میں لکھے ہیں۔

تاریخ دول اسلامیہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص خوزستان سے سوادکوفہ میں آکر ریاضت میں مشغول ہوا۔ یہاں تک کہ جب کثرت صوم وصلوٰۃ اور عبادات سے اقران ومعاصرین پر اسکی فوقیت مسلم ہوگئی۔ اور معتقدین کے دلوں پر پورا تسلط کرلیا تو امتحان کے لئے چند معمولی مسائل نماز وروزہ کے

ایسے بیان کئے جو مخالف اجماع و احادیث تھے معتقدین نے اُنھیں پر عمل شروع کر دیا۔ اس امتحان کے بعد بطور راز کہا کہ دیکھو حدیث من لم یعرف امام زمانہ کی رو سے امام زمان کو معلوم کرنا نہایت ضروری امر ہے مگر یہ یاد رکھو کہ امام زمان کا خاندان نبوت اور اہلبیت سے ہونا ضروری ہے اور وہ قریب میں نکلنے والے ہیں چنانچہ وہ سب ان کے مشتاق ہوگئے اور آپ شام کو چلا گیا وہاں بھی اسی تدبیر سے لوگوں کو امام زمان کا مشتاق اور منتظر بنا دیا جب ایک وسیع ملک امام زمان کا مشتاق و منتظر ہو گیا تو اس کے قرابتداروں سے ایک شخص جسکا نام ذکرویہ یحییٰ تھا اپنے تئیں محمد بن عبداللہ بن اسماعیل بن امام جعفر صادق مشہور کر کے امامت کا دعوےٰ کیا۔ لوگ تو منتظر ہی تھے فوراً ایک لشکر عظیم فراہم ہو گیا۔ اور مہدی صاحب نے اپنے متعقدوں کو لوٹ کھسوٹ پر لگا دیا۔ اور شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ مکہ معظمہ پر مسلط ہو کر اس قدر مسلمانوں کو قتل کیا کہ کسی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملسکتی۔ یہ وہی فتنہ قرامطہ ہے جس سے تواریخ کے جزو جزو سیاہ ہیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔

دیکھئے ذکرویہ کس آسانی سے اہلبیت میں داخل ہو کر امام زمان بن گیا۔ اور ابن سبا کے مقصود کو پورا کیا۔

اگر سیادت کوئی محسوس چیز ہوتی تو لوگ پہچان جاتے کہ وہ امام نہیں ہوسکتا

مگر ابن سبا کا تو مقصود یہی تھا کہ خونریزی کا دروازہ مسلمانوں میں کھلا رہے اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس واقعہ کو دیکھکر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور آتش عناد جو مسلمانوں کے اتفاق اور ترقی کو دیکھکر یہودیت کی وجہ سے اسکے دل میں بھڑک رہی تھی کسی قدر سرد ہوتی بہرحال مقصود تو اس کا پورا ہوا وہ نہیں تو اس کی ملت والے یہود جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

کتب تواریخ میں بہت سے واقعے موجود ہیں کہ حکومت کے خواہشمندوں نے ابن سبا کے شرائط امامت کو ملحوظ رکھکر دعوے امامت کیا۔ اور دل کھول کر مسلمانوں کو قتل کیا اور کرایا مسئلہ امامت کی بدولت جو مسلمان قتل ہوتے گئے۔ اگر حساب کیا جائے تو لاکھوں سے نوبت متجاوز ہو جائیگی۔ اسمیں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے یہودی قتل ہوئے تھے مگر وہ معدودے چند تھے ان کے معاوضہ میں ابن سبا نے مسلمانوں کو جو قتل کرایا ہزاروں حصے اول سے زائد ثابت ہونگے۔ اور باوجود تیرہ سو سال گذرنے کے مخالفت باہمی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اور توقع نہیں کہ اسکا خاتمہ ہو کر مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہو۔ حالانکہ طرفین کو اقرار ہے کہ ابن سبا ایک یہودی شخص تھا اور منافقانہ مسلمان ہو کر علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت ایسے ایسے

عقائد اس نے تراشے کہ خود آپ نے اسکو جلا دینے کا حکم فرمایا اگر سفارش نہ ہوتی تو جلا دیا جاتا۔ سفارش کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا۔ اور اسی کے شائع کیے ہوئے عقائد کے لحاظ سے آپنے فرمایا۔ یھلک فیّ رجلان محب مبطر یضعنی غیر موضعی ومبغض مفتر یحملہ شنآنی علیٰ ان یبہتنی ولیس فیّ جیسا کہ ناسخ التواریخ سے ابھی لکھا گیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ میری دوستی کا دعوے کرنے والے اُس درجہ میں مجھے قائم کرینگے۔ جو وہ میرا درجہ نہیں اور ایسی تعریفیں کرینگے جو مجھ میں نہیں ہیں ایسے لوگ ہلاک ہونگے۔ کہیئے وہ درجہ کیا ہے؟ یہی ہے کہ خدا بنایا! نبوت میں شریک کیا۔ خلیفہ بلافصل بنایا۔ حالانکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بخوشی بیعت کرنے کا آپنے اقرار کیا۔ اور یہ بھی فرمادیا کہ امامت کے لئے نہ سیادت شرط ہے نہ وصی ہونا نہ عصمت نہ زہد نہ تقویٰ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اس کے سوا اور بہت سے اقوال حضرت کے شیعہ و سنی نقل کرتے ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ آپنے خلافت بلافصل کا کبھی دعوے نہیں کیا نہ اس کا کہ وصی ہونیکی وجہ سے میری خلافت ثابت ہوگئی دیکھئے ناسخ التواریخ صفحہ (۶۹) کی جلد دوم میں اور کلینی صفحہ (۱۴۲) میں حدیث لکھی ہے عن انس رض قال قلنا لسلمان سل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من وصیہ فقال لہ سلمان یا رسول اللہ

من وصيك فقال يا سلمان من كان وصي موسىٰ

قال يوشع بن نون فقال فان وصيي ووارثي يقضي

ديني وينجز موعدي علي بن ابي طالب ترجمہ یعنے انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ پوچھئے کہ آپ کے وصی کون ہیں انہوں نے پوچھا حضرت نے فرمایا اے سلمان! موسیٰ کے وصی کون تھے؟ کہا یوشع بن نون فرمایا میرے وصی اور وارث علی بن ابی طالب ہیں جو میرا قرض ادا کرینگے۔ اور وعدے پورے کرینگے انتہیٰ۔

وصی کا کام قضائی دیون اور انجاز وعدہ ہے

اس سے ظاہر ہے کہ آپ وصی صرف اس کام کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیون وغیرہ ادا کریں۔ خلافت سے کوئی تعلق نہیں ورنہ ان کاموں کی تخصیص نہ فرماتے اگر وصی کو خلافت لازم ہوتی تو کل صحابہ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرتے حالانکہ ناسخ التواریخ سے آپ کی یہ آرزو اور تمنا ثابت ہوتی ہے۔ کہ کاش چالیس ہی آدمی بیعت ہی کر لیتے تو انکی کمک اور مدد سے خلافت چھین لیتے۔ ان تمام قرائن و تصریحات سے ظاہر ہے کہ جتنی روایتیں اس قسم کی ہیں سب ابن سبا اور اسکی کمیٹی والوں کی تراشی ہوئی ہیں۔ دراصل آپنے بطیب خاطر بیعت کی تھی۔

اسلئے صحابہ میں یہ بات مسلم تھی کہ خلیفہ کا مقرر ہونا مہاجرین و انصار کا کام ہے اس کا ثبوت کافی خود علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے۔ جو نہج البلاغۃ اور ناسخ التواریخ کی جلد سوم میں ہے۔ص ۱۱۶ کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک نامہ لکھا جس میں یہ عبارت بھی موجود ہے۔ وانہ بایعنی القوم الذین بایعوا

ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ

فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب

ان یردوا انما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان

اجتمعوا علی رجل فسموہ اماما کان ذٰلک للہ رضی

یعنی میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکر و عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس کے بعد نہ کسی موجود شخص کو حق ہے کہ دوسرے کو اختیار کرے اور نہ غائب کو حق ہے کہ اس کو رد کرے۔ کیونکہ شوریٰ کا حق مہاجرین و انصار کو ہے اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کر کے اس کو اپنا امام مقرر کریں تو اسی کی امامت پر خدا بھی راضی ہے انتہی۔

دیکھئے جب خود علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ مقرر کرنیکا حق مہاجرین و انصار کو تھا تو آپ ہی کی تصریح سے ثابت ہو گیا۔

خلیفہ مقرر کرنا مہاجرین و انصار کا کام تھا

شوریٰ مہاجرین و انصار کے لئے ہے

کہ خلیفہ کے لئے وصی ہونا شرط نہیں۔ اب ہم ہرگز نہیں کہ سکتے کہ یہ خبریں
جو آپنے دی ہیں کہ (شوریٰ کا حق مہاجرین و انصار کو تھا اور انہوں نے
جس کو امام مقرر کرلیا خدا کی بھی اس میں رضامندی ہے۔) جھوٹی خبریں
ہیں نعوذ باللہ من ذلک۔ اب کہئے کہ جن خلفا کی نسبت خود حضرت
علی کرم اللہ وجہہ فرمارہے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہے
تو کیا ممکن ہے کہ آپ اُن سے ناراض ہونگے۔ ناسخ التواریخ
صفحہ (۱۲۴) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک اور نامہ نقل کیا ہے
جسمیں یہ عبارت ہے۔ ثم قبضہ اللہ یعنی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وقد ادی ما علیہ
ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف
ابوبکر عمر واحسن السیرۃ وعدل فی الامۃ
ثم ولی عمر الناس عثمان۔
فقتلوہ ثم اتانی الناس وانا معتزل امرھم
فقالوا لی بایع فابیت علیھم فقالوا لی بایع
فان الامۃ لاترضی الابک وانا نخاف ان لم تفعل
ان یفترق الناس فبایعتھم دیکھئے اس عبارت سے صاف
ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو خلیفہ مقرر کرنیکا حق تھا کیونکہ

شیخین حسن سیرۃ و عدل (حاشیہ)

آپ اس خدمت سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے۔ مگر جب دیکھا کہ لوگ آپ ہی کی خلافت سے راضی ہیں تو قبول فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی تو صاف فرما دیتے کہ تمہیں خلیفہ بنانے کا حق ہی کیا ہے خلیفہ بننے یا نہ بننے میں میں مختار ہوں بلکہ یہ فرما دیتے کہ میں وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اس وجہ سے خود پہلے ہی سے میں خلیفہ ہوں مگر اس قسم کی کوئی بات نہیں فرمائی بلکہ وہ صاف فرماتے ہیں کہ لوگوں کے اصرار پر میں نے بیعت خلافت لی یہی بات ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تھی جیسا کہ خود فرماتے ہیں استخلف الناس ابابکر۔ یعنی لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اسکے سوا متعدد خطوط اور خطبوں میں یہ مضمون موجود ہے جو ناسخ التواریخ اور نہج البلاغۃ میں منقول ہیں۔ غرضکہ کل صحابہ کے اجماع سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ وصیت و خلافت میں کوئی تلازم نہیں۔ اور یہی بات علی کرم اللہ وجہہ کے تصریحات اور عمل سے ثابت ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ جوڑ ابن سبا کی لگائی ہوئی ہے کیونکہ اس کا یہودی ہونا شیعہ اور سنی کے اتفاق سے ثابت ہے اور یہ مسئلہ یہود کے یہاں کا ہے جیسا کہ بحار الانوار جو حضرات شیعہ کے یہاں معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔

وذکر بعض اہل العلم ان عبد اللہ
ابن سبا کان یہودیا فاسلم ووالی علیا
علیہ السلام وکان یقول وھو علی یہودیتہ
فی یوشع بن نون انہ وصی موسی ع بالغلو فقال
فی اسلامہ بعد وفات رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی علی مثل ذلک
وکان اول من شہر بالقول لفرض امامۃ
علی واظہر البراءۃ من اعدائہ وکاشف
مخالفتہ واکفرھم فمن ھھنا قال من
خالف الشیعۃ ان اصل التشیع والرفض
ماخوذ من الیہود۔

تشیع کی اصل یہود سے

دیکھئے اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح ابن سبا یہودیت کے زمانہ میں یوشع بن نون کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی کہتا تھا۔ اسی بناء پر علی رضی اللہ عنہ کے وصی اور مستحق امامت ہونے پر اس نے زور دیا اس سے ثابت ہے کہ یہ مسئلہ اس یہودی نے مسلمانوں میں فساد کی غرض سے شایع کیا اول اسکو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ اور تاریخ کامل میں جو لکھا ہے کہ ابن سبا نے اس مسئلہ کی ابتدا کی۔ وہی بات بحار الانوار سے بھی ثابت ہوگئی۔

ہر چند تخمیناً چوبیس[۲۴] سال تک اس مسئلہ کا ذکر ہی نہ تھا مگر جب ایک جماعت میں اس کی گفتگو ہونے لگی۔ جو ابن سبا کی کمیٹی کے لوگ تھے جن کو مسلمان اپنے ہم مشرب سمجھتے تھے۔ اور وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے بالاتفاق قائل ہو گئے تو بعض ناواقف مسلمان بھی اُس کی حقیت کے قائل ہونے لگے۔ اور قاعدے کی بات ہے کہ جب ایک جماعت کسی چیز کو مہتم بالشان بنائے اور ہمیشہ اس میں گفتگو ہوا کرے تو وہ جماعت وقتاً فوقتاً ترقی کرتی جاتی ہے غرضکہ شدہ شدہ ایک بڑی جماعت بن گئی۔

یہود مسئلہ بداء کے بھی قائل تھے چنانچہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ملل و نحل میں یہود کے حالات میں لکھا ہے کہ یہود کی توریت موجودہ میں ہے کہ حقتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ قریب میں اس امت کو ہلاک کر کے ایک بڑی امت کا پیشوا بناتا ہوں مگر موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ ایسا نہ ہو حق تعالیٰ نے انہی کی مرضی کے مطابق کیا۔ یعنے اپنے ارادہ سے باز آیا انتہیٰ۔

سلیمانیہ جو شیعہ میں ایک فرقہ ہے اس کے بانی سلیمان بن جریر کا قول بھی لکھا گیا۔ کہ رافضیوں کے اماموں نے بداء کا مسئلہ عجیب نکالا ہے۔ کہ جب وہ پیشینگوئی کرتے ہیں کہ ہمارا غلبہ ہو گا۔

اور چنین و چناں ہوگا اور وہ ایسا نہ ہوا تو کہہ دیتے ہیں کہ پہلے وہی بات
علم الٰہی میں بھی جو ہم نے کہی تھی مگر اس کے بعد خدا کو یہ بات سوجھ گئی جس کا وقوع ہوا
ہر چند اس قول سے انہوں نے ذاتی نفع اٹھایا۔ مگر ابن سبا نے
اپنے دین کے مسئلہ کو مسلمانوں میں جو پھیلایا ہوگا۔ اس سے اس کا
مقصود ہی کچھ اور ہوگا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اسنے دیکھا
کہ علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت اہل حل و عقد کے اتفاق سے
ثابت ہو گئی تو قیامت تک مسلمانوں میں وہ مسلم رہیگی۔ ہر چند
اس کی تمہید یعنے فتنۂ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں کامیابی ہوئی۔
کہ ہزارہا مسلمان مارے گئے۔ مگر شامیوں کا جوش چند روز میں
خود سرد ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے سے
متعلق ہے اسکو نفس خلافت سے کوئی تعلق نہیں خلافت سے
متعلق کوئی ایسی بات نکالنی چاہیئے کہ جب تک خلافت مسلم رہے
اختلاف و خلاف باہمی بھی جاری رہے۔ چنانچہ اسکے لیے یہ تلقین
شروع کردی کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں منظور الٰہی تھا۔ کہ انہیں
حضرات کے ہاتھ پر بیعت ہو۔ جس کا ظہور بھی ہوا کہ سب مسلمانوں نے
یہاں تک کہ خود امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کرلی
مگر عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد خدائیتعالیٰ کو یہ بات سوجھی کہ

زمانہ گذشتہ میں بھی علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں اور وہ خلافت گذشتہ بھی آپ ہی کو مسلم ہوگئی۔ معتقدوں نے اسکو مان لیا۔ اور کیونکر نہ مانتے باوجودیکہ سب جانتے تھے کہ علی کرم اللہ وجہہ ابوطالب کے فرزند ہیں اسپر بھی اسکی جادو بیانی سے آپکو خدائے عزوجل تسلیم کرلیا یعنے آپکی الوہیت کے قائل ہوگئے۔ تو چند گزشتہ سالوں کی خلافت کا تسلیم کرلینا کونسی بڑی بات تھی۔ دیکھئے اسی کا اثر ہے کہ تیرہ سو سال سے تقریباً اہل اسلام مانتے ہیں۔ کہ جس زمانہ میں حکام کا عزل و نصب اور صلح و جنگ خود مختاری سے آپ کرتے تھے۔ آپ خلیفۂ برحق تھے مگر حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بھی آپ خلیفۂ برحق تھے جبکہ خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے ان کی اطاعت کرتے تھے اگر یہی اصطلاح ٹھہرائی جائے کہ محکوم بھی حاکم ہوتا ہے جیسے بعضے اساتذہ اپنے شاگردوں کو استاد سمجھتے ہیں تو میری رائے میں اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ لا مشاحۃ فی الاصطلاح مگر مشکل یہ ہے کہ اس قسم کی خلافت پر بھی قناعت نہیں بلکہ اس طرح ترقی کیجاتی ہے کہ کل صحابہ اس خلافت کو نہ ماننے والے کافر ہوگئے تھے۔ اور صرف چار پانچ حضرات مومن سے تھے۔ اب جو حضرات کافر سمجھے جاتے ہیں انکا حال دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ جسطرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ میں اپنے آبائی طریقہ کو چھوڑ کر خدا تعالےٰ کی الوہیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مانتے تھے۔ اور نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ اسلامی کاموں میں بدل و جان ساعی تھے۔ اسی حالت پر رہے اور بت پرستی وغیرہ لوازم کفر سے عمر بھر محترز رہے۔ اور یہ بھی نتھا کہ خلیفہ معنوی یعنے علی کرم اللہ وجہہ کے خوف سے منافقانہ یہ کام کرتے ہوں کیوں کہ بقول حضرات شیعہ یہ وہ زمانہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ ان کے خوف سے تقیہ کرتے تھے۔ پھر ایسی غالب قوم کو کیونکر کہا جائے کہ کل اسلامی کام وہ منافقانہ کرتے تھے اگر ان حضرات کے اس قسم کے اسلام کو بھی کفر کہا جائے تو وہ بھی ایک اصطلاحی کفر ہوگا جس سے حقیقی کفر لازم نہیں آتا اگر کوئی اسکو بھی تسلیم کرلے تو اس پر بھی فیصلہ کی امید نہیں۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ سوائے چار پانچ حضرات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اصحاب پر لعنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ان کے بعد جب سے شیعہ کا سلسلہ قائم ہوا ہے ان کو چھوڑ کر سب امت قابل لعنت ہے اس صورت میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ ابن سبا کو جو منظور تھا کہ قیامت تک مسلمانوں میں مخالفت قائم رہے وہ پورا ہوا اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہود پر ایک سخت الزام یہ عائد تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ساٹھ سال کے اندر پوری قوم مرتد ہو گئی اس الزام کو ابن سبا نے اس طرح ٹالا کہ وصی جو امام برحق ہوتا ہے اسکو نہ ماننے والا کافر ہے غرضکہ جتنے لوگ علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائل ہوئے تھے وہ سب کافر ہوگئے چنانچہ اسی بنا پر امام باقر علیہ السلام کا قول نقل کیا جاتا ہے جو ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں ہے ازابی جعفر علیہ السلام حدیث کنند - قال کان النّاس اھل ردۃ بعد النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ الاثلاثۃ پرسش کردند یا ابن یا رسول اللہ آن سہ تن کیستند قال مقداد بن اسود و ابوذر الغفاری وسلمان الفارسی انتہیٰ -

موسیٰ علیہ السلام کی نسبت خیال ہو سکتا تھا کہ ان کی تعلیم ناقص تھی اس وجہ سے ان کی امت بہت جلد گمراہ ہوئی اس کا دفعیہ ابن سبا نے یوں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جو اعلیٰ درجہ کے لوگ مانے جاتے ہیں مثلاً ابوبکر، عمر، عثمان - علی - ابوذر، سلمان مقداد وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین ان کی یہ حالت ہوئی کہ حضرت کی وفات کے ساتھ ہی آپس میں لعن طعن سب وشتم ایسی ہوئی کہ بازاریوں میں

بھی نہ ہو۔ اور دربار خلافت میں گھوسم گھا نسا سے بھی نوبت بڑھ گئی
چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ (۶۳) میں لکھا ہے کہ زبیر بن العوام ابوبکر کے
ہاتھ پر بیعت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان پر تشدد کیا گیا یہاں تک کے
عمر بن الخطاب خالد بن ولید اور مغیرہ بن شعبہ کو دے اور ان کے
ہاتھ سے تلوار چھین لی اور عمر اُن کو پچھاڑ کر سینہ پر چڑھ بیٹھے اور وہ
نیچے پڑے ہوئے مغلظات سنا رہے تھے انتہیٰ۔

یہ سب دربار خلافت میں ہو رہا تھا ناسخ التواریخ میں احتجاج
علی واصحاب او بعد از بیعت با ابوبکر و عمر) وغیرہ مقامات
دیکھنے سے صاف ظاہر ہو گا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
جو حسن خلق اور دیگر اخلاق حسنہ کی تعلیم دی تھی اور سب و شتم
اور بدخلقی سے منع فرمایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
انتقال کے ساتھ ہی اس کا ذرا بھی اثر باقی نہ رہا۔ ان واقعات کو جب
دوسری اقوام دیکھتی ہوں گی۔ تو یہی کہتی ہوں گی۔ کہ نعوذ باللہ
یہ سب رذیل لوگ تھے کہ نبی کی تعلیم کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا ابن سبا کا
بھی یہی مقصود تھا کہ جگ ہنسائی ہو۔

چونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر وغیرہ مقامات سے یہود کو جلاوطن
کر دیا تھا اسلئے تمام یہود آپ پر دانت پیستے تھے۔ مگر بیچارے کیا کر سکتے

اُن کے مقابلہ میں تو بڑے بڑے سلاطین سر جھکاتے تھے آخر ابن سبا کو یہ موقعہ ملا کہ علی کرم اللہ وجہہ کا نام لیکر دل کھولکر گالیاں دیں اور موقع موقع کے قصہ تراشے اور حدیثیں بنائیں جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ ۱۷۲ میں یہ روایت ہے۔ ان ابا ذرؓ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن حال عمرؓ فقال اکتموا انہ فرعون هذه الامة لا تخبروا بهذا من لم یحفظ العهد فی علی علیہ السّلام۔

یعنی ابو ذر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر بن الخطاب کا حال پوچھا فرمایا یہ بات چھپا رکھو کہ وہ اس امت کا فرعون ہے اور جو علی علیہ السلام کا شیعہ نہ ہو اُسکو اس بات کی خبر نہ دو۔

سلمان فارسی سے اسی میں روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر۔ عمر۔ ابو عبیدہ۔ سالم اور معاذ بن جبل نے ایک معاہدہ لکھا اور کعبہ میں باہم معاہدہ کیا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے جائینگے یا مر جائیں گے تو خلافت کو اہل بیت میں جانے نہ دیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس وقت مجھے کیا ارشاد ہے فرمایا اگر مددگار لوگ ملیں تو اُن سے جہاد کرو

اور اگر نہ لیں تو بیعت کر کے اپنی جان بچا لو انتہیٰ۔

اس قسم کی روایتیں ناسخ التواریخ میں بکثرت مذکور ہیں۔ کیوں نہ ہو ابن سبا پہلے تو یہودی جس کو اپنی کتاب آسمانی میں تحریف اور کم و زیادتی کرنے کی کچھ پرواہ نہیں۔ پھر حدیثوں کا بنا لینا کیا مشکل۔ کوئی مسلمان ہو تو ایسی باتوں سے خوف کرے۔ پھر یہودی بھی کیسا دل جلا جسکو دل کے پھپولے پھوڑنے کا کبھی موقعہ ملا ہی نہ تھا۔ اب موقعہ ملا تو ایسا کہ اہل بیت کرام کی زبان سے جو چاہے کہلے اور تصدیق کرنے والے بھی اپنی کمیٹی کے لوگ یا وہ بھولے بھالے مسلمان جنکو اہل بیت کی محبت میں خبر بھی نہ ہوئی۔ کہ یہ دشمن ہے یا دوست جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں انکی امت نے پولوس مقدس کی باتوں پر فریفتہ ہو کر ان کو خدا کا بیٹا تسلیم کر لیا۔

چونکہ عبداللہ بن سبا اور اس کی کمیٹی کے لوگ آیۂ شریفہ وضربت علیہم الذلۃ وغیرہ پڑھا کرتے تھے جن میں یہودی کمال ذلت کا حال مذکور ہے تو ضرور تھا کہ بمقتضائے بشریت وہ مسلمانوں سے انتقام لیتے مگر اسلام کی اس وقت وہ شوکت تھی کہ کوئی اسکے مقابلہ میں سر نہیں اٹھا سکتا تھا ممکن نہ تھا کہ کسی قسم کی ذلت کی بات مسلمانوں کی کوئی کہہ سکے۔ ابن سبا آدمی کیا بلا کا تپلا تھا اُس نے

ابن سبا نے اہل بیت کو ذریعہ تکمیل بنا لیا

ایک تدبیر ایسی سوچی کہ مسلمانوں کی ذلت تو کیا ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی ذلت و توہین قیامت تک ہوا کرے۔ اور خود مسلمانوں کی شہادت سے وہ مستند ہو اور انکو احساس تک نہ ہو کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اگر باور نہ ہو تو حضرت ام کلثوم علیہا السلام کے واقعہ کو دیکھ لیجئے کہ ناسخ التواریخ وغیرہ کتب کے ہزارہا نسخوں میں چھپکر شائع ہوگیا ہے۔ غیر ملت کے لوگ اس کو دیکھتے ہوں گے تو کیا اہل بیت کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہوں گے؟ پھر یہ صرف ایک ہی قصہ نہیں جو اتفاق پر محمول ہو۔ بلکہ ہر موقعہ کا ایک نیا قصہ بیان کیا جاتا ہے چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ ہے جو ناسخ التواریخ صفحہ (۵۰) کی جلد چہارم از کتاب دوم میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے تو علی علیہ السلام رات کو اندھیرے میں فاطمہ علیہا السلام کو گدھے پر سوار کرکے امام حسن اور حسین علیہم السلام کے ہاتھ پکڑ کے مہاجرین و انصار کے گھروں پر گئے۔ اور ہر ایک کے دروازے پر کھڑے رہکر فرماتے کہ میری مدد کرو۔ چنانچہ چوالیس (۴۴) شخصوں نے وعدہ کیا آپ نے فرمایا صبح سر منڈوا کر مسلح ہو کر میرے یہاں آؤ اور موت پر بیعت کرو۔ مگر خوف کے مارے کوئی نہ آیا۔ پھر دوسری رات بھی آپ اسی طرح گھر گھر تشریف لے گئے۔ اور لوگوں کو قسمیں دیکر آمادہ کیا۔

علاوہ فاطمہ علیہا السلام کی [illegible]

مگر کوئی آمادہ نہ ہوا آخر آپ قرآن جمع کرنے کے لئے مکان کا دروازہ
بند کر کے بیٹھ گئے عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا کہ اگر علیؑ بیعت نہ کرینگے تو
خلافت کو استحکام نہ ہوگا۔ اُنہوں نے جب ان کو طلب کیا تو فرمایا
کیا جلدی لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھی
ابوبکر اور جتنے لوگ ان کے گرد و پیش ہیں سب جانتے ہیں
کہ خدا اور رسول خدا نے مجھے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اسی قسم کے
سوال و جواب بواسطہ بہت دیر تک ہوتے رہے۔ دوسرے روز
پھر عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا کہ سب لوگ بیعت کر چکے۔ اب صرف علی مرتضیٰؑ
اور چند لوگ باقی ہیں جس طرح ہو سکے وہ حاضر کئے جائیں ابوبکرؓ نے کہا
اس کام کے لئے کون مناسب ہوگا، کہا قنفذ جو نہایت سخت اور
بے مروت آدمی ہے چنانچہ وہ ایک جماعت کے ساتھ علی علیہ السلام کے
گھر بھیجا گیا۔ مگر آپ نے اسکو گھر میں آنے نہ دیا۔ وہ واپس جا کر عمرؓ سے کہا
انہوں نے کہا کہ اجازت کی کیا ضرورت۔ زبردستی گھر میں گھس جاؤ
اور انکو پکڑ لاؤ مگر وہ اس بار بھی کامیاب نہ ہوا۔ اور کہلا بھیجا کہ
فاطمہ علیہا السلام کہتی ہیں کہ میں اپنے گھر میں ہرگز آنے نہ دونگی
عمرؓ نے غصہ سے کہا کہ عورتوں کو ان معاملات سے کیا تعلق یہ کہکر
اور چند آدمیوں کو فاطمہ علیہا السلام کے دروازہ پر بھیجا اور خود آکر

باہر سے پکارے کہ اے علی باہر نکلو اور خلیفہ رسول خدا کے ہاتھ پر بیعت کرو
ورنہ اس دروازے کو میں جلا دونگا۔ فاطمہ علیہا السلام اُٹھیں اور کہا اے عمر!
تمہیں ہم سے کیا تعلق کہا دروازہ کھولو ورنہ ہم اسکو جلا دیں گے انہوں نے
کہا اے عمر! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ جو بلا اجازت میرے گھر میں
آتے ہو عمر نے دیکھا کہ دروازہ کھلنے کی امید نہیں۔ لکڑیاں منگائیں
اور آگ لگا دی جب کچھ جل گیا تو لات مار کر دروازے کو توڑا اور گھر میں
گھس گئے۔ فاطمہ علیہا السلام یا ابتا یا رسول اللہ کہتی اور چیختی آگے آئیں
اور فریاد کی کہ اے رسول خدا ہماری خبر لیجئے اسوقت ابن خطاب نے
تلوار میان سمیت ان کے پہلو پر ماری پھر فاطمہ علیہا السلام نے فریاد کی
اس وقت ایک کوڑا ان کے ہاتھ پر مارا۔ فاطمہ نے فریاد کی کہ یا رسول اللہ
ابوبکر اور عمر نے خدا کو چھوڑا اور دین سے پھر گئے۔ اسوقت علی علیہ السلام
کو غصہ آیا اور عمر کو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور ناک اور گردن کو ایسا دبا
کہ دم نکل جائے اور کہا حکم قضا اور رسول خدا کا عہد میرے ذمہ نہ ہوتا تو
تو میرے دروازے پر نہ آسکتا عمر نے دیکھا کہ شکار کی طرح شیر کے پنجہ میں
قید ہے فریاد کر کے باہر کے لوگوں سے مدد چاہی قنفذ دوڑ کر ابوبکر سے
یہ حال بیان کیا انکو اندیشہ ہوا کہ مبادا کہیں علی تلوار کھینچ کر باہر نکل آئیں اور کچھ
لوگ اُن کے ساتھ ہو لیں تو سخت فتنہ کا اندیشہ ہے فوراً قنفذ کو

واپس کیا اور کہا اس کا بندوبست رکھ کہ وہ نکلنے نہ پائیں۔
اور اگر یہ نہ ہوسکے تو گھر کو آگ لگا دے قنفذ دوڑا اور لوگوں کو لیکر
گھر میں گھس اور علی کے ہاتھ سے تلوار چھین اور ان کے گلے میں
رسی باندھ کھینچتا ہوا مسجد میں لیجانے لگا۔ فاطمہ علیہا السّلام دروازہ پر کھڑی
لوگوں کو روکتی تھیں۔ اور علی علیہ السّلام کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ لوگوں کے
ہاتھ سے ان کو چھڑالے قنفذ آگے بڑھ کر ایک کوڑا ان کے ہاتھ پر ایسا مارا
کہ اس کا اثر نمایاں ہوگیا۔ جو ان کی وفات تک باقی تھا۔ پھر عمر کے
حکم سے دروازہ کے پٹ کو اس زور سے دابا کہ فاطمہ علیہا السّلام کی
پسلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور حمل ساقط ہوگیا۔ اسی صاحبزادہ کا نام
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسن قرار دیا تھا۔
اور ایک روایت میں ہے کہ عمر خطاب اور مغیرہ بن شعبہ نے
بالاتفاق اس پٹ پر زور لگایا جس سے فاطمہ علیہا السّلام کی ہڈیاں
ٹوٹیں۔ اس وقت فاطمہ نے علی علیہ السّلام کا ہاتھ چھوڑا اور قنفذ وغیرہ
انکو کھینچتے ہوئے مسجد میں لے آئے خالد بن ولید وغیرہ مہاجرین
وانصار ابوبکر کے پاس بیٹھے تھے علی علیہ السلام نے فرمایا۔
خدا کی قسم اگر تلوار میرے ہاتھ میں ہوتی تو مجھے تم یہاں نہ لاسکتے۔
واللہ اگر چالیس آدمی میری رفاقت دیتے تو تمہاری ساری جماعت کو

میں متفرق کردیتا۔ خدا اون لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے بیعت کرکے
میری مدد نہ کی۔ امام باقر علیہ السلام خبر دیتے ہیں کہ اس وقت
جتنے مسلمان تھے۔ سوائے تین شخصوں یعنے مقداد۔ ابوذر اور سلمان فارسی کے
کل مرتد ہو گئے تھے۔ غرضکہ علی علیہ السلام کو جب اس ذلت سے
ابوبکر کے روبرو لے گئے۔ تو فاطمہ علیہا السلام نہایت خستہ اور پریشان
حال گھر سے نکلیں اور تمام بنی ہاشم کی عورتیں آپ کے ساتھ تھیں
آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہوئیں۔ اور کہا کہ میرے
چچا کے لڑکے یعنے علی علیہا السلام کو چھوڑ دو ورنہ میں اپنے بالوں کو
بکھیروں گی۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص اپنے سر پر رکھونگی
اور خدا کی طرف رجوع کرکے چیخونگی۔ کیا صالح علیہ السلام کی اونٹنی
شرافت میں مجھسے زیادہ تھی؟ یا اس کا بچہ میرے بچوں سے افضل تھا
علی علیہ السلام نے سلمان سے کہا۔ دیکھو محمدؐ کی لڑکی کے پاس جاؤ۔ میں
دیکھ رہا ہوں کہ مدینہ دو طرف سے زیر و زبر ہو رہا ہے۔ سلمان نے
جا کر کہا اے پیغمبر کی صاحبزادی! خدا نے تمہارے باپ کو رحمت عالم
پیدا کیا تھا۔ اس خیال سے باز آؤ۔ فرمائیں اے سلمان! تم نہیں دیکھتے
کہ یہ لوگ علی کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور وہ قتل ہونگے تو
تو میں صبر نہ کرسکوں گی۔ چھوڑ دو مجھے خدا سے داد چاہتے دو سلمان نے کہا

خوف ہے کہ کہیں مدینہ زمین میں دھس نہ جائے اور علی علیہ السلام نے مجھکو آپ کے پاس بھیجا اور یہ فرمایا ہے کہ آپ گھر چلے جائیں چنانچہ وہ گھر تشریف لے گئیں۔ اور علی ابوبکر کے روبرو اسی حالت میں بیٹھے رہے۔ کہ گلے میں رسی بندھی ہے اور ایک شخص اس کو پکڑا ہوا ہے۔ اور آپ شکایت کر رہے ہیں۔ اور ابوبکر کہہ رہے ہیں کہ اگر تم بیعت نہ کروگے تو نہایت ذلت وخواری سے ہم تمہیں قتل کریں گے۔ اس قسم کے اور قصے بیان کر کے لکھا ہے کہ ابوبکر نے کہا ای علی اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں تمہارا سر اڑا دیتا ہوں آخر علی علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھکر کہا الٰہی تو گواہ رہ یہ کہہ کر ہاتھ دراز کیا اور بیعت کرلی انتہیٰ۔

غور کیجئے اس قصہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روح مبارک پر کیسا صدمہ ہوتا ہوگا۔ وہ اسد اللہ الغالب جنکی شجاعت کا تھوڑا سا حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ قنفذ نے آپکے ہاتھ سے تلوار چھین کر معاذ اللہ آپ کے گلے میں رسی باندھی ہوگی اور وہ طاقت وہ زور کہ قلعہ خیبر کے دروازے کو سپر بنالیا تھا کچھ کام نہ آیا۔ اور خاص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر اجنبی لوگوں کے حملوں کو آپ معاذ اللہ حسرت کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے؟ ممکن نہیں کہ محبین اہل بیت کا

خیال بھی اس قسم کی باتوں کی طرف منتقل ہوا ہو یہ سب ابن سبا کی تراشیدہ باتیں ہیں جس نے علی کرم اللہ وجہہ کی الوہیت کو ایک فرقہ کے ذہن نشین کر دیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ معلوم نہیں کہ کس سحر بیانی سے یہ امور لوگوں کے ذہن نشین کیا کہ کسی کو چوں وچرا کا موقع ہی نہ ملا اور جس طرح ایک جماعت نے آپ کی الوہیت کو مان لیا اسی طرح اس ذلت کو بھی باور کر لیا۔

جب اس قسم کی باتیں تسلیم کر لی گئی ہونگی۔ تو اسکا لازمی اثر یہی ہے کہ محبین اہل بیت میں سے بھی ان لوگوں نے کبار صحابہ پر لعن و سب و شتم کیا ہوگا۔ جو محض ناواقفی سے ابن سبا کی کمیٹیوں کے دام میں آگئے تھے۔ جس طرح علی اللّٰہی ایک فرقہ بن گیا۔ ناواقف محبین کا بھی ایک گروہ بن گیا۔ اور سب وشتم یعنے تبرا، داخل مذہب ہو گیا۔

اگر صرف نہج البلاغۃ اور ناسخ التواریخ وغیرہ کتب سیر و تواریخ حضرات شیعہ ہی تعمق نظر اور غور سے دیکھ لئے جائیں اور قرائن سے پوری پوری مدد لیکر آزادانہ رائے قائم کی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ کارخانہ ابن سبا کا جمایا ہوا ہے۔ جس کی بناء ان واقعات پر ہے جن کو (بداہت) عقلی فرضی ثابت کرتی ہے۔

اُس کو ان افترا پردازیوں سے کئی مقصود تھے۔ پہلا یہ کہ خود اُن لوگوں کی

زبانی اہل بیت کرام کی بیحرمتی اور بے عزتی کے واقعات کہلوا دے جو ان حضرات کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں تاکہ دوسرے اقوام ان واقعات کو صحیح سمجھ کر خاندان نبوت کی توہین کریں اور مضحکے اڑائیں دوسرا یہ کہ کل صحابہ جو بہترین امت ہیں۔ دوسرے اقوام کی نظروں میں ظالم۔ خائن۔ خودغرض۔ بلکہ جامع صفات رذیلہ ثابت ہوں تاکہ ان کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے۔ کہ یہ امت بدترین امم ہے۔ تیسرا یہ کہ کبار صحابہ پر تبرا ہوا کرے جس سے باہمی جدال وقتال کا ہنگامہ ہمیشہ گرم رہے۔ غرضکہ پولس صاحب کی طرح اس نے خوب ہی یہودیت کے جوہر دکھائے۔

پیشتر نہج البلاغۃ اور ناسخ التواریخ سے یہ روایت لکھی گئی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصار نے ابوبکرؓ وعمرؓ کو اپنا امام مقرر کیا۔ اور جس کو انہوں نے اپنا امام بنالیا اس سے خدا راضی ہے۔ نہج البلاغۃ صفحہ (۲۵۰) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کلام منقول ہے۔ للہ بلاد فلان فقد قوّم الاود وداوی العمد خلّف الفتنۃ واقام السنۃ ذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وسبق شرہا ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ۔ یعنے عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کی

خوبی یہ ہے کہ انہوں نے طبیعتوں کی کجی کو نکالدیا۔ امراض باطنی کی دوا کی گئے فتنہ کو پیچھے ڈالدیا۔ سنت قائم کی پاکدامن قلیل العیب سدھارے خلافت کی بھلائی حاصل کی۔ اس کے شر کو نزدیک نہ آنے دیا۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت کی اور حقوق الٰہی میں تقویٰ کرتے رہے انتہیٰ شارحین نے فلاں سے مراد عمر رضہ لکھی ہے۔ اور ناسخ التواریخ سے یہ روایت لکھی گئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمر رضہ کی تعریف کی کہ انہوں نے امت میں عدل کیا۔ ان روایتوں سے ثابت ہے کہ آپنے اس زمانہ کی تعریف کی کہ وہ نہایت امن کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد آپنے فرمایا کہ ایسے زمانے کے لوگوں کے ساتھ جو کوئی بدظنی کرے وہ ظالم ہے چنانچہ نہج البلاغۃ صفحہ (۱۰۱) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے۔

اذا استولی الصلاح علی الزمان واھلہ ثم اساء رجل الظن برجل لم تظھر منہ خزیۃ فقد ظلم یعنے کسی زمانے پر اور اس زمانے کے لوگوں پر صلاح غالب ہو پھر کوئی شخص اس زمانے کے ایسے شخص کی نسبت بدگمانی کرے جس سے رسوائی ظاہر نہیں ہوئی تو اس نے ظلم کیا دیکھئے اُس زمانے کے اہل اسلام نے اسلام کو ترقی دی اور کافروں کو رسوا کیا پھر ایسے لوگوں سے بدگمانی کیونکر جائز ہوگی حسب ارشاد حضرت بدگمانی جائز نہ ہو تو سب و شتم کس قدر آپ کے خلاف مرضی ہوگا نہج البلاغۃ صفحہ (۱۱۹) میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے این القوم الذین
دعوا الی الاسلام فقبلوہ و قرؤا القرآن فاحکموہ و ھیجوا الی
القتال فولھوا ولہ اللقاح الی اولادھا و سلبوا السیوف اغمادھا
واخذوا باطراف الارض زحفا زحفا و صفا صفا بعض
ھلک و بعض نجا لا یبشرون بالاحیاء ولا یعزون
بالموتی۔ اولئک اخوانی الذاھبون فحق لنا ان نظماء
الیھم و نعض الایدی علی فراقھم۔

ترجمہ کہاں گئے وہ لوگ جنہوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا اور قرآن پڑھ کر اس کو مستحکم کرلیا۔ اور جنگ کے لئے جب ان سے کہا گیا تو وہ اس پر شیفتہ ہو گئے اور تلواروں کو میان سے علحدہ کر دیا۔ اور لشکر لشکر اور صف صف ہو کر اطراف زمین کو فتح کر لیا۔ بعضے انتقال کر گئے اور بعضے نجات پائے۔ جو زندہ رہے ان کی زندگی سے خوشی نہ ہوئی اور جو مر گئے ان کی موت سے غم نہ ہوا اس لئے کہ شہادت سب کو مطلوب تھی وہ لوگ میرے بھائی ہیں ہم پر حق ہے کہ انکے تشنہ رہیں اور ان کی جدائی پر اپنے ہاتھ کاٹیں انتہی۔ یہ سب صفات صحابہ کے تھے جنہوں نے عرب عجم۔ عراق و شام افریقہ فتح کر لیا تھا۔

کس حسرت سے ان کے فراق پر آپ افسوس ظاہر کرکے

ان کی ملاقات کی تمنا فرمار ہے ہیں۔کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے
کہ یہ لوگ معاذ اللہ کفار تھے۔جن کا مقام دوزخ ہوگا۔اور حضرت
اُن سے ملنے کی تمنا فرماتے ہوں گے۔جب خود علی کرم اللہ وجہہ کو
ان حضرات سے اس قدر محبت اور تمنائے ملاقات ہو تو کل اہل اسلام کا
فرض ہے کہ ان سے محبت رکھیں۔اور انکے لئے دعائے خیر کیا کریں
کیونکہ حضرت فرماتے ہیں۔فحق لنا ان نظماء الیہم۔
یہ روایت ابھی نہج البلاغۃ سے نقل کی گئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
فرماتے ہیں کہ حتی رأیت راجعۃ الناس قد رجعت عن
الاسلام یدعون الی محق دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام
واھلہ ان اری فیہ ثلما او ھدما اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ
کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرنے لگے تو میں نے توقف کیا۔مگر جب دیکھا کہ
بہت سے لوگ مرتد ہوگئے۔اور دین اسلام کے مٹانے کی فکر میں ہیں
تو میں نے بھی بیعت کرلی۔اور اسلام اور اہل اسلام کی مدد کو ضروری سمجھا
اب کہئیے کہ سوائے تین شخصوں کے اگر کل صحابہ مرتد ہوگئے تھے تو
مرتدوں کی مدد کیسی؟ پھر اسی روایت میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں
فنھضت فی تلک الاحداث حتی زاح الباطل و زھق واطمأن الدین و تنھنہ
یعنے میں نے ان نئی باتوں کے دفع کرنے کے لئے اٹھا اور اہل اسلام کی

ایسی مدد کی کہ باطل دفع ہوا اور دین اطمینان سے قائم ہوگیا۔ اس سے
ظاہر ہے کہ مرتدوں کی وجہ سے صرف نئی باتیں پیدا ہوئی تھیں۔
اور جب ان کی سرکوبی ہوگئی تو عارضی امور دفع ہوگئے۔ اور اسلام
پھر اسی حالت پر آگیا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا
جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں
اہل اسلام اسی صداقت اسلامی پر تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ کے زمانہ میں
تھی اگر اس کا بھی نام زمانہ ارتداد صحابہ رکھا جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ دین کو
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تک کبھی اطمینان نصیب نہ ہوا۔
اور باطل ہی کو فروغ رہا۔ اس صورت میں یہ ارشاد خلاف واقع ہوجاتا ہے
یہ روایت بھی نہج البلاغۃ سے ابھی نقل کی گئی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے
عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا والعرب الیوم ان کانوا قلیلا فہم کثیرون
بالاسلام عزیزون بالاجتماع۔ یعنے اگرچہ عرب آج کے روز تھوڑے ہیں
مگر مسلمان ہونے کی وجہ سے بہت ہیں اور اجتماع کی وجہ سے غالب ہیں
اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اس زمانے کے اہل اسلام کو اعلیٰ درجہ کے
مسلمان سمجھتے تھے اس لئے کہ یہ اس وقت آپنے فرمایا تھا کہ عمار بن یاسر
نے اسلامی فوج کی قلت اور کفار کی یہ کثرت لکھی تھی کہ انہوں نے
ڈیڑھ لاکھ فوج اور ستر سے زیادہ ہاتھی مقابلہ کے لئے تیار کئے ہیں

پھر آپ نے لشکر اسلام کی تعریف کی اور فرمایا کہ اللہ منجز وعدہ وناصر جندہ۔ یعنے خدائیتعالیٰ اپنا وعدہ پورا کریگا۔ اور اپنے لشکر کی مدد فرمائیگا۔ کیا اتنی ثنا وصفت کے بعد بھی یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ سب کچھ سہی مگر وہ سب لوگ مرتد ہی تھے اس لئے کہ علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے قائل نہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی تقریباً کل ملک عرب باغی اور مرتد ہوگیا۔ صرف مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں اسلام رہگیا تھا اور سوائے قبیلہ قریش اور ثقیف کے باقی قبائل میں اگرچہ کچھ مسلمان تھے بھی تو پریشان اور پوشیدہ تھے۔ ایسے وقت میں معدودے چند صحابہ ابوبکر رضؓ کے حکم سے پہلے ملک عرب کو اس کے بعد عجم عراق شام اور افریقہ کو فتح کرنے کے لئے نکلے صرف ایک مسیلمہ کذاب نے چالیس ہزار کی فوج لیکر ان کا سخت مقابلہ کیا۔ اور شکست کھائی اسی طرح تقریباً کل قبائل اور شجاعان عرب مقابلہ کرتے اور ہزیمت اٹھاتے گئے چنانچہ انہی صحابۂ کرام نے تھوڑے سے عرصہ میں کل ملک عرب کو ازسرنو فتح کرلیا۔ اور عجم اور شام وغیرہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ چنانچہ شمس التواریخ صفحہ (۱۷۱) میں لکھا ہے۔ کہ صرف جناب فاروق اعظم رضؓ کے ممالک مقبوضہ کا رقبہ ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار تیس مربع میل تھا (۲۲۵۱۰۳۰)۔ یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی طرف ایک ہزار چھتیس میل (۱۰۳۶) مشرق کی طرف ایکہزار سیتاسی میل (۱۰۸۷)

جنوب کے رخ چار سو تراسی میل اور مغربی سمت جدہ تک تھی۔ اس رقبہ میں عراق
جزیرہ۔ شام۔ مصر۔ فارس۔ ارمینیہ۔ آذربایجان۔ خوزستان۔ کرمان
خراسان۔ مکران۔ اور کچھ حصہ بلوچستان کا بھی شامل تھا۔ روم یعنے
ایشیائے کوچک پر ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا۔ یہ وہ ملک ہیں کہ عرب کے
سربرآوردہ لوگ گویا گداگری کے لئے وہاں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہر مقابلہ میں
وہاں کے افسر بطور توہین صحابہ کو اس قسم کی باتیں سنا کر ان کی اصلی حالت
یاد دلاتے اور وہ حضرات بھی اعتراف کر کے کہتے کہ بیشک ہم ایسے ہی تھے
مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے حالات کی اصلاح کر دی
اور وعدہ فرمایا کہ ملک کسریٰ اور قیصر کو ہم لوگ فتح کر لیں گے۔
کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں معمولی نہ تھیں اس زمانہ میں انکو شہنشاہی کے
دعوے تھے۔ ان کے ملک آباد خزانہ مالا مال فوجیں نہایت آراستہ
لاکھوں کے افواج قاہرہ معرکۂ کارزار میں لانے پر قادر تھے۔ چنانچہ جس قدر
ان کے امکان میں تھا اپنی فوجی اور مالی قوتیں صرف کر کے انہوں نے مقابلہ کیا
اور صرف اپنی ہی قوتوں سے نہیں بلکہ دوسری سلطنتوں سے بھی
مدد لی چنانچہ ہرقل نے علاوہ اپنی کل افواج کے روس وغیرہ ممالک یورپ کے
سلاطین کو مذہبی جوش دلا کر مدد کرنے پر مجبور کیا چنانچہ انکے افواج کثیرہ سے
انہیں مسلمانوں کو لڑنا پڑا۔ اِدھر شاہ ایران نے چین سے فوجی مدد لی غرضکہ صحابۂ کرام نے

عرب۔ عجم۔ چین۔ عراق۔ شام۔ روس اور افریقیہ وغیرہ ممالک کے افواج
قاہرہ سے مقابلہ کیا۔ اور وہ داد جوانمردی دی کہ سب سے مقابلہ کر کے
مظفر و منصور ہوئے۔ ان لڑائیوں میں اہل اسلام کی فوج کہیں ایک
لاکھ کی نظر نہ آئیگی البتہ قادسیہ اور یرموک پر ساٹھ ہزار کی تعداد تھی مگر وہ بھی
کب جبکہ مقابل کی فوج لاکھوں کی جمع ہو گئی۔ چنانچہ یرموک میں چار لاکھ
ساٹھ ہزار (۴۶۰۰۰۰) کا لشکر جرار معرکہ کارزار میں موجود تھا۔ مگر اسی تھوڑی سی فوج نے
کفار کے ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) سپاہیوں کو قتل اور چالیس (۴۰۰۰۰) ہزار کو زندہ گرفتار کیا
اور جنگ انطاکیہ میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) کو قتل اور تیس (۳۰۰۰۰) ہزار کو گرفتار کیا۔ اسی پر
اور معرکوں کو قیاس کر لیجئے کہ جہاں جس قدر کفار کی فوجیں زیادہ ہوئیں۔
ان کے مقتول اور اسیر زیادہ ہوتے تھے۔ اب کہیے کہ کم و بیش
ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) فقرا نے لاکھوں کو قتل اور لاکھوں کو قید کر کے ان سلطنتوں کو
جو اس زمانے میں بےنظیر تھیں فتح کیا۔ کیا یہ بغیر تائید الٰہی کے ممکن ہے
ان کے سامان جنگ کی یہ کیفیت تھی کہ شمس التواریخ صفحہ ۶۲۲
میں لکھا ہے کہ پہلی لڑائی یرموک میں عربوں کے پاس البتہ زرہ تھی اور
وہ بھی چمڑے کی رکاب لکڑی کی۔ گھوڑا ہے تو کاٹھی نہیں اونٹ ہے
تو کجاوا ندارد۔ اسلحہ میں سے عرب گرز و کمند جانتے ہی نہ تھے تیر ہوتے تھے
لیکن وہ بھی ایسے کہ جنگ قادسیہ میں جب ان کے تیروں کو کفار نے

دیکھا تو انہیں بڑھیوں کے چرخوں کے تکلے بنایا یہی ایک بات ان حضرات کے ایمان پر کھلی دلیل ہے کیونکہ حقتعالٰے فرماتا ہے۔
وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ یعنے اگر تم ایماندار ہو تو تم ہی غالب رہوگے
دیکھئے اس آیۃ شریفہ میں یہ بتلایا گیا کہ اگر تم مومن ہو تو تم غالب ہوگے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر غالب نہ ہوگے تو سمجھا جائیگا کہ مومن نہیں اسی خوف سے کہ کہیں مسلمانوں میں سے نام خارج نہ ہو جائے۔ ایسی جانفشانیاں کیں کہ جن کی نظیر نہیں۔
ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ خالد بن ولید نے ساٹھ (۶۰) شخصونکو لیکر ساٹھ (۶۰) ہزار جنگجو سپاہیوں کا مقابلہ کیا اور غالب رہے۔ اگر خدانخواستہ ان حضرات کو فتح نہ ہوتی تو اس آیۃ کے لحاظ سے ان کے ایمان میں البتہ کسی قدر شک پڑ جاتا۔ بخلاف اس کے کہ جب ان کا غلبہ ہوا تو اب ان کے ایمان میں کیا شک ہے غرضکہ اس آیۃ شریفہ سے ثابت ہے کہ ابوبکر رضؓ کے اوائل زمانۂ خلافت سے عثمان رضؓ کے اواخر زمانہ تک ان حضرات کا کامل الایمان ہونا ثابت ہے کیونکہ یہ سب فتوحات انہی زمانوں میں ہوئیں اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں وہ حضرات مومن نہ تھے۔ یا ضعیف الایمان ہو گئے تھے۔ کیونکہ

مفہوم مخالف سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اس دلیل سے اس کا خیال رد ہوگیا جو کہا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کل مرتد ہوگئے تھے۔ اور یہ آیۂ شریفہ بھی ان حضرات کے ایمان پر دلیل بیّن ہے قولہ تعالیٰ وکان حقا علینا نصر المومنین۔ یعنے ہم پر حق ہے کہ اہل ایمان کی مدد کریں۔ حقتعالیٰ مومنین کی مدد جو اپنے ذمہ لے رہا ہے اس میں صفت ایمان ملحوظ ہے یعنے وہ لوگ جو متصف بصفت ایمان ہوں ان کی مدد ایمان کی وجہ سے ہوگی جس کا مطلب یہ ہوا کہ مومن اگر جلاہا ہو تو اس کی صفت کی حیثیت سے اس کی مدد ہونی ضرور نہیں۔ اب دیکھئے کہ صحابہ کی کیسی کیسی غیبی مددیں ہوئیں کہ عقل انکے سمجھنے سے قاصر ہے اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک انکا ایمان کامل ثابت تھا۔ اس لئے ان کی مدد کرکے اپنا حق ادا فرمادیا اسی کو دیکھ لیجئے کہ اس زمانہ میں ساٹھ ستر ہزار مسلمانوں کو ایسی مدد ہوئی کہ روئے زمین کی بڑی بڑی سلطنتوں کو فتح کرلیا۔ اور اس وقت باوجود کروڑوں مسلمان موجود ہیں مگر ممالک مقبوضۂ سابقہ کا سنبھالنا بھی دشوار ہے اب کہیئے کہ ہم لوگوں کو مومن کہنا چاہیئے یا ان لوگوں کو خدا تعالیٰ کے کلام سے تو یہی ثابت ہے کہ مومن وہی لوگ تھے جنکی مدد حسب وعدہ حقتعالےٰ نے ہر موقعہ میں کی۔

ناسخ التواریخ کے صفحہ (۲۷۷) جلد دوم میں لکھا ہے۔ ازاں سوئی جبلہ نزدیک ماہان آمد و گفت کہ ایں عرب را از آسمان مدو میرسد کہ شصت تن برا شصت ہزار مردم درآمدند و کشتند آنچہ کشتند و بر ما نصرت یافتند۔ اور نیز اسی صفحہ (۱۴۹) میں لکھا ہے۔ کافراں گفتند کہ ہرگز مردم دریں اراضی درنیایند و لشکر درنیاوردند ہمانا ایشان فرشتگانند و ما راہمی گفتند کہ شما فرشتگان آسمانید ما در پاسخ گفتیم فرشتگاں نیستیم بلکہ از آدمیانیم لاکن فرشتگان آسمان با ما ہمراہ اند۔ دیکھئے کس قدر ان حضرات کا ایمانی جوش ہوگا کہ کفار نے ان کو ملائک تسلیم کرلیا تھا۔ کہ خدا کے حکم سے ایک سر مو انحراف نہیں کرتے۔

ناسخ التواریخ صفحہ (۱۴۷) میں لکھا ہے کہ ماہان ہرقل کی طرف سے چار لاکھ فوج لیکر میدان جنگ میں آیا۔ اور ساٹھ ہزار عرب منصرہ بھی اسکے ہمراہ تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ ان کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لئے اپنا رعب قائم کرنے کے لیئے میں تیس آدمیوں سے ساٹھ ہزار عرب منتصرہ کا مقابلہ کرتا ہوں۔ ابوسفیان وغیرہ کے کہنے سے اور تیس شخص اضافہ کئے گئے۔ چنانچہ ساٹھ شخصوں نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا۔ جس سے کفار کے دل دہل گئے۔ اس کے بعد لشکر اسلام نے انکی کل فوج کا مقابلہ کیا

اور فتح پائی۔ غور کیجئے کہ ساٹھ شخصوں کو ساٹھ ہزار سے نسبت ہی کیا پھر جن کے ساتھ مقابلہ تھا وہ بھی شجاعان عرب تھے اگر صرف شجاعت ہی ہر غلبہ کا مدار ہوتا تو ہزار شجاع کے مقابلہ میں ایک جوانمرد شخص کیا کر سکے۔ دیکھئے یہ ان کے ایمان کا وثوق تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہیگا۔ جہاد کو وہ فقط ظاہر حیلہ سمجھتے تھے ورنہ ان کی ایمانی قوت کے مشاہدے میں وہ ممالک قبل از جنگ مفتوحہ شمار کئے جاتے تھے۔ اگر ایسے ایماندار لوگ معاذ اللہ بے ایمان اور مرتد سمجھے جائیں تو اس سے بڑھکر اور کیا جرم ہو سکتا ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی خلافت کی حقانیت اور ثبوت پر ہمیشہ یہی دلیل پیش فرمایا کرتے تھے کہ میرے ہاتھ ان اہل حل وعقد نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بیعت کرکے خلیفہ اور امیر المومنین بنایا تھا اور جنکو خلیفہ بنانیکا حق تھا اس سے ثابت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ ان حضرات کو اعلے درجہ کے ایماندار سمجھتے تھے۔ اگر یہ لوگ اس بات میں کفار سمجھے جاتے تو اہل شام صاف جواب دیتے کہ حضرت کا فرونکی بیعت کا اعتبار ہی کیا۔ کیونکہ وہ تو بیعت کی وجہ سے مرتد ہو گئے تھے اور علی کرم اللہ وجہہ کا استدلال بےموقع ہو جاتا۔

اب یہ بھی دیکھ لیجئے کہ کیسے کیسے امور خیر ان حضرات کے ہاتھوں پر

جاری ہوئے۔ ان حضرات نے خلفاء مقرر کئے جن سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ جا نہیں لڑا لڑا کر بڑی بڑی سلطنتیں اسلامی حدود میں داخل کر لیں اعلائے کلمۃ اللہ میں وہ کوششیں کیں کہ ان کے بعد کسی سے نہ ہو سکیں وہ لوگ اکثر شوکت اور کثرت کفار کو دیکھکر ہمت ہار دیتے تو اسلام کا نام تک پہونچنا تو درکنار ملک عرب ہی میں اس کا رہنا دشوار ہو جاتا۔ اب غور کیجئے کہ جس قسم کے کار خیر ان حضرات کے ہاتھوں پر جاری ہوئے۔ کیا اور کسی سے ہو سکتے ؟ ممکن نہیں۔ پھر ایسے لوگ اگر مرتد شمار کئے جائیں تو معلوم نہیں مسلمان کون سمجھا جائیگا۔ کلینی صفحہ (۸۹) میں یہ روایت ہے

عن معاویۃ بن وھب قال سمعت ابا عبد اللہ یقول انما اوحی اللہ الی موسٰی وانزل علیہ فی التورٰۃ انی انا اللہ لا الٰہ الا انا خلقت الخلق وخلقت الخیر واجریتہ علی یدی من احب فطوبیٰ لمن اجریتہ علی یدیہ وانا اللہ لا الٰہ الا انا خلقت الخلق وخلقت الشر واجریتہ علی یدی من اریدہ فویل لمن اجریتہ علی یدیہ یعنے خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور خیر پیدا کر کے اسکے ہاتھ پر جاری کی جس کو میں دوست رکھتا ہوں اور شر پیدا کر کے جسکے ہاتھ پر چاہا اسکو جاری کیا اور ویل اور خرابی ہے

اس کی جس کے ہاتھ پر میں نے شر جاری کی اور یہ روایت بھی اسی کے صفحہ ۸۹ میں ہے۔ عن محمد بن مسلم قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول ان فی بعض ما انزل اللہ من کتبہ انی انا اللہ لا الٰہ الا انا خلقت الخیر و خلقت الشر فطوبیٰ لمن اجریت علی یدیہ الخیر و ویل لمن اجریت علی یدیہ الشر و ویل لمن یقول کیف ذا و کیف ذا۔

یہ بھی مضمون اسی روایت سابقہ کا ہے صرف زیادتی اس میں اسیقدر ہے کہ اگر کوئی کہے کہ خدائیتعالیٰ نے خیر اور شر خود ہی پیدا کئے اور جس کے ہاتھ پر خیر جاری کی اس کو خوشخبری اور بشارت اور جسکے ہاتھ پر شر جاری کی اسکو ویل یہ کیونکر ہو سکے تو ایسے شخص کے لئے بھی ویل ہے دیکھئے کہ ان احادیث سے ثابت ہے کہ جن کے ہاتھ پر کار خیر جاری ہوئے وہ محبوبان الٰہی تھے۔ یوں تو وہ حضرات پہلے ہی سے محبوبان بارگاہ کبریائی تھے مگر ان امور کی ابتداء ابوبکرؓ کی ابتدائے خلافت سے ہوئی اس لئے یہ تازہ محبوبیت یا یوں کہئیے کہ ترقی مدارج محبوبیت اسی زمانہ سے ہوئی جو زمانہ ارتداد و تبلایا جاتا ہے غرضکہ ائمہ کبار کے ارشادات اور وحی آلہی سے ثابت ہے کہ صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے خدا تعالےٰ کے محبوب تھے۔ اب کہئیے کہ

جس چیز سے وہ محبوب الٰہی ہوئے اسی کو باعث ارتداد کیونکر سمجھ سکیں۔

کلینی صفحہ (۳۷) میں روایت ہے عن منصور بن حازم قال قلت لابی عبداللہ فاخبرنی عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم صدقوا عن محمد ام کذبوا قال صدقوا الحدیث۔ یعنے منصور کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیثوں میں راست گو تھے یا جھوٹ کہتے تھے فرمایا وہ لوگ سچے تھے۔ دیکھئے جس شخص کے تدین میں ذرا بھی شک ہو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں ہوسکتی۔ چہ جائیکہ سرے سے ایمان ہی نہ ہو۔ جب ائمہ کرام نے صحابہ کو صادق اور ان کی روایتوں کو قابل وثوق سمجھا تو کس وضاحت سے ان کا کامل الایمان اور متدین ہونا ثابت ہوگیا۔ غرضکہ بحسب روایات مذکورہ جب صحابہ کی حالت ان کے کمال ایمان پر گواہی دے رہی ہے۔ اور خود علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ کرام کے متعدد ارشادوں سے ان کا ایمان ثابت ہے اور قرآن شریف ان کے ایمان پر شاہد عدل ہے اور ان کی حالت یہ تھی کہ کفار بھی ان کے حالات کو دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ وہ اعلےٰ درجہ کے ایماندار بلکہ ملائک ہیں تو ہم کبھی خیال نہیں کرسکتے کہ ابتدائً مسلمانوں نے ان کو مرتد اور بے ایمان کہا ہوگا۔ اس سے

ظاہر ہے کہ اس قول کا موجد اور اس اعتقاد کا بانی ضرور ابن سبا تھا جس کا یہودی اور منافق ہونا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر ائمہ کرام کے اقوال سے ثابت ہے یہاں تک کہ ان حضرات نے اس پر لعنت بھی کی جب اس کے صدہا بلکہ ہزارہا ہم خیالوں نے نئے نئے واقعات تراش کر ان کو مرتد مشہور کیا۔ تو شدہ شدہ بعضے بھولے بھالے مسلمان بھی اس وقت ان کے ہم خیال ہو گئے اور وہ مہتم بالشان مسئلہ بن گیا۔

متعدد قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام جو اس وقت اصلی شیعۂ علی کرم اللہ وجہہ تھے وہ ہرگز تبرا کے قائل نہ ہوں گے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ۔ یعنے بتوں کو گالیاں مت دو ورنہ بت پرست خدا کو گالیاں دیں گے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد حدیثوں میں لعن طعن فحش کلامی اور تکفیر سے منع فرمایا اور خود علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ (۱۰۰) جلد سوم میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن وہب الراسبی گفت سوگند بخدا اینکہ آنجماعت با تو مقابلت کردند از اہل بغی و ظلم بودند و کافر و مشرک اند علی علیہ السلام فرمود۔

بر باطل سخن گوایں قوم نہ چنان اند کہ تو گوئی اگر کافر و مشرک بودند اموال ایشان را بہ غنیمت بایست برگرفت و زنان ایشان را نکاح توانست کرد انتہیٰ۔

دیکھئے خوارج باوجودیکہ علی کرم اللہ وجہہ کو کافر کہتے تھے۔ مگر آپنے ان کو بھی کافر نہیں فرمایا۔ بلکہ تکفیر کرنے والوں کو زجر کیا۔ اور ناسخ التواریخ صفحہ (۱۰۶) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے۔ لایزال امرنا متماسکا ما لم یشتم اٰخرنا اولنا واذا خالف اٰخرنا اولنا وافسد وا ھلکوا واھلکوا۔ یعنے آپنے فرمایا کہ ہمارے دین کا کام اسی وقت تک مستحکم رہیگا کہ بعد والے ہمارے اول والوں کو گالی نہ دیں۔ اور جب بعد والے اول والوں کی مخالفت کریں اور فساد کریں تو خود بھی ہلاک ہوں گے۔ اور دوسروں کو بھی ہلاک کریں گے۔ اب دیکھئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اول والے کون تھے؟ جن کی مخالفت اور سب وشتم سے آپنے روکا وہی خلفائے ثلاثہ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے تھے۔ گویا آپنے صاف فرمادیا کہ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی دشمنی ہلاک ہونے اور ہلاک کرنیکا باعث ہے۔ اور ان کو گالیاں دینا باعث زوال دولت ہے

علی کرم اللہ وجہہ نے تکفیر سے منع فرمایا

اور نیز ناسخ التواریخ صفحہ (۱۸۰) میں ہے حجر بن عدی و عمرو بن الحمق بلعن و شتم معاویہ و اہل شام زبان کشودند و ایں سخن بہ علی علیہ السلام رسید ایشان را حاضر ساخت و فرمود ازیں گونہ سخن مکنید گفتند یا امیر المومنین! ایا ما بر حق نیستیم و ایشاں بر باطل نیستند فرمود چنیں است گفتند پس چرا لعن و شتم ایشاں را روا نمیداری فرمود مکروہ میدارم کہ مردماں شمارا در شمار اہل شتم شناختہ دارند اگر از سر نکوہیدہ و اعمال نا ستودہ ایشاں باز گوئید نکوتر باشد و بجائے لعن را راست از ایشان بجوئید۔ اللّٰہم احقن دمائنا و دمائہم و اصلح ذات بیننا و بینہم و اہدہم من ضلالتہم حتی یعرف الحق منہم من جہلہ و یرعوی من الغیّ والعدوان من لہج بہ یعنے خدایا! حفظ فرمائے خون ما و خون ایشاں و ایں مخاصمت کہ درمیان ماست بمسالمت بدل کن و ایشاں را از طریق ضلالت و غوایت بشاہراہ حقیقت و ہدایت دلالت بنمائے منجملہ فرمود اگر ایں چنیں سخن کنید من دوست تر دارم و از برائے شما نکو تر است گفتند یا امیر المومنین چناں کنیم کہ تو فرمائی انتہی۔

یہی روایت نہج البلاغۃ صفحہ (۲۲۸) میں بھی مذکور ہے۔

دیکھئے معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو بھی گالیاں دینا علی کرم اللہ وجہہ کو

ناگوار ہوا اور فرمایا میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ گالیاں دینے والوں میں تمہارا شمار ہو۔ لعنت کی جگہ دعا کرو کہ صلح اور موافقت ہو جائے۔ چونکہ وہ حضرات فی الواقع شیعہ تھے امیر المومنین کے حکم کو بصدق قبول کر کے اقرار کرلیا۔ کہ آئندہ ایسی ناشائستہ حرکت کبھی نہ کرینگے اس سے ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت نے جو طریقہ اختیار کیا ہے کہ کسی پر لعنت نہیں کرتے۔ اس باب میں وہ علی کرم اللہ وجہہ کے پیرو ہیں۔ کیونکہ لعنت کرنے کا طریقہ مروانیوں کا تھا۔ جو مجلسوں میں بلکہ منبروں پر لعنت کیا کرتے تھے۔

ناسخ التواریخ صفحہ (۲۵۹) میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں عبد اللہ بن عمرؓ اور محمد بن حنفیہ کا مقابلہ ہوا تو علی علیہ السلام نے پکار کر کہا۔ اے فرزند تم واپس آجاؤ میں ان سے مقابلہ کرتا ہوں چنانچہ وہ واپس آگئے اور پوچھا کہ آپ نے مجھے اس کے مقابلہ سے کیوں روکا فرمایا احتمال تھا کہ وہ تم پر غالب ہو جائے کہا خدا کی قسم یہ فاسق تو کیا اگر اس کا باپ عمر بن خطابؓ بھی آپ کے مقابلہ میں آتا تو آپکی شان نہ تھی کہ اس کے مقابلہ میں جاتے۔ امیر المومنین نے فرمایا یا بنی لاتقل لابیہ الاخیرا۔ یعنے اے لڑکے ان کے باپ کو جب یاد کرو بھلائی سے یاد کرو انتہی۔

علی رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو برا کہنے سے منع فرمایا

دیکھئے محمد بن حنفیہ رح نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہ گالی دی نہ لعنت کی صرف طرز کلام سے ان کی گستاخی پائی جاتی تھی مگر آپ کو وہ بھی ناگوار گذرا اور فرمایا کہ جب ان کا ذکر کرو بھلائی سے کرو۔ اب کہئے کیا یہ مناسب ہو گا کہ علی کرم اللہ وجہہ کا اتباع کرنے والے عمر رضی اللہ عنہ کو برائی سے یاد کریں؟

ناسخ التواریخ صفحہ (۶۳۴) میں لکھا ہے کہ ایک بار آپ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کسی کو اجنبی عورت اچھی معلوم ہو تو چاہئیے کہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور یہ سمجھ لے کہ ایک عورت دوسری عورت کے جیسی ہوتی ہے ایک خارجی اس مجلس میں بیٹھا تھا بے ساختہ امیر المومنین کی شان میں کہہ دیا کہ خدا اس کافر کو قتل کرے کیا بڑا فقیہ ہے یہ سنتے ہی لوگوں نے چاہا کہ اس کو قتل کر ڈالیں آپ نے فرمایا۔ رویدا انما ھو سب بسب او عفو عن ذنب یعنے فرمایا جلدی مت کرو تمہیں اسیقدر حق ہے کہ ایک گالی کے بدلہ تم بھی ایک گالی دو یا اس کا گناہ معاف کر دو۔ اور یہی روایت نہج البلاغہ صفحہ ۱۴۳ میں بھی موجود ہے دیکھئے کہ اس مردود نے کس قدر توہین کی کہ امیر المومنین کو عین اجلاس میں سر مجلس کافر کہا مگر آپ نے اس کا بدلہ یہی ٹھیرایا کہ تم بھی ایک گالی دیدو یا معاف کر دو یہ اس گالی کا حال ہے جسکو

سب نے سنا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو فرمایا سب بسب او عفو عن ذنب یہ اس آیۃ شریفہ کی طرف اشارہ ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفی و اصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنے برائی کے بدلہ ایک برائی ہو۔ وہ بھی اسی کی جیسی پھر اگر وہ بھی معاف کردی جائے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اب اگر علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت ان حضرات نے چھینی بھی تھی تو آپ کو حق تھا کہ ان کی خلافت چھین لیتے یا معاف کر دیتے دوسروں کو یہ حق نہیں۔

کلینی صفحہ (۵۱۷) میں روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں بدتر وہ شخص ہے جو کسی کو کچھ نہ دے اور اپنے غلام کو مارے اور اکیلا کھائے لوگوں نے سمجھا کہ اس شخص سے بدتر کوئی نہ ہوگا پھر فرمایا اس سے بھی بدتر وہ شخص ہے کہ اس سے خیر کی کسی کو امید نہ ہو اور اس کے شر کا لوگوں کو خوف رہے لوگوں نے گمان کیا اب اس سے بدتر کوئی نہ ہوگا۔ پھر فرمایا کیا اس سے بدتر بھی بیان کروں۔ لوگوں نے کہا ارشاد ہو فرمایا المتفحش اللعان یعنے بدگو اور لعنت کرنے والا انتہیٰ ملخصاً۔

دیکھئے ابن سبا نے مختلف تدابیر سے صحابہ پر لعنت کرنے کی

جو تجویز کی اس میں علاوہ اس کے کہ مسلمانوں میں مخالفت پیدا ہو
ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ اس حدیث کے مطابق آدمی بدترین
خلق بنجاتا ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ جب یہ حدیث
ائمہ کرام میں نقل ہوتی ہوئی امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کو ضرور اس کا علم تھا پھر جو کہا جاتا ہے کہ آپ نے فلاں
فلاں پر لعنت کی وہ روایتیں کیونکر صحیح مانی جائیں اور یہ کیونکر کہا جائے
کہ علی کرم اللہ وجہہ معاذ اللہ لعان تھے۔ ناسخ التواریخ کی
جلد سوم میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے۔
کہ لایزال امرنا متماسکا مالم یشتم آخرنا اولنا۔ یعنے ہمارا دین و
آئین اس وقت تک مستحکم رہیگا کہ آخر والے اول والوں کو گالیاں
نہ دیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ تک گالی
گلوج کا دروازہ نہیں کھلا تھا اس لئے مسلمانوں میں اتفاق اور دین کے
کاموں میں استحکام رہا اس کے بعد جب سب و شتم صحابہ پر شروع ہوئی
دین کے استحکام میں زوال آگیا غرضکہ یہ طریقہ سب و شتم و لعن طعن
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بالکل خلاف مرضی ہے۔

کلینی صفحہ (۷۴۵) میں روایت ہے۔ عن ابی عبداللہ علیہ السلام
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المومن کالمشرف علی الھلکۃ

ہے یعنے مسلمان کو گالی دینے والا اس شخص کے جیسا ہے۔
کہ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے کے قریب ہوا نتہیٰ۔
کلینی میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے سماعہ سے فرمایا کہ تم فحش گوئی اور لعن سے بچتے رہو۔ نہ وہ میرا کام ہے اور نہ میں نے اپنے شیعہ کو اس کا حکم کیا۔
اور نیز کلینی صفحہ(۵۴۸) میں روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ لعنت جو وقت کسی کے منہ سے نکلتی ہے تو وہ دونوں میں متردد ہوتی ہے۔ اگر اس نے موقعہ پایا تو شخص ملعون پر گئی ورنہ لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ انتہیٰ۔
اسی وجہ سے دوسری روایت صفحہ(۵۴۷) میں ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا فایاکم الطعن علی المومنین یعنے مسلمانوں پر طعن کرنے سے بچتے رہو انتہیٰ۔ مطلب یہ کہ لعنت تو بڑی چیز ہے کسی پر طعن بھی نہ کرو۔ اس کا لم یہ ہے جو کلینی صفحہ(۸۸) میں مذکور ہے۔ کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے سعادت وشقاوت کو پیدا کیا جس کو سعید پیدا کیا اس سے کبھی بغض نہیں رکھتا اگر وہ برا کام کرے تو صرف اسکے اس فعل سے بغض رکھتا ہے اس کی ذات سے بغض نہیں رکھتا

انتہیٰ ملخصاً۔

اب دیکھئے صحابہ نے جس قدر جانفشانیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیں ظاہر ہیں پھر تمام عمر اشاعت دین میں مشغول رہے۔ یہ تمام آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس وقت کے تمام لوگوں میں سے خدا تعالیٰ نے ان حضرات کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا تھا اگر بمقتضائے بشریت ایک آدھ کام برا بھی ہو گیا تو کوئی یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کام کی وجہ سے شقی ازلی تھے۔ پھر باوجود اس کے کہ سعادت کے قرائن کثرت سے موجود ہوں ان پر لعنت کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت الٰہی سے وہ دور ہیں کیونکر جائز ہو گا اسی وجہ سے اہل سنت کسی مسلمان پر لعنت کرنے کو جائز نہیں رکھتے۔

نہج البلاغۃ صفحہ (۱۴۲) میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ یاعبداللہ لاتعجل فی عیب احد بذنبہ فلعلہ مغفور یعنی کوئی اگر گناہ کرے تو اس کی عیب گوئی میں جلدی نہ کرو شاید کہ خدا تعالیٰ نے اسے بخشدیا ہو اب کہئے کہ گناہ کا عیب لگانا جب بحسب ارشاد امیر المومنین جائز نہ ہوا تو لعنت کرنی کیونکر جائز ہو گی۔

کلینی صفحہ (۳۰۵) میں روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا۔

کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سے ایک بار شکایت
کی کہ جب تک ہم آپ کی خدمت میں رہتے ہیں۔ ہماری حالت ہی
دوسری رہتی ہے۔ اس سے ہمیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں
منافق نہ ہوں۔ فرمایا کہ اگر تمہاری وہ حالت ہمیشہ رہے تو فرشتے
تم سے مصافحہ کیا کریں اور تم پانی پر چلنے لگو گے۔ تم لوگ گناہ کرتے ہو
استغفار بھی کرتے ہو اگر تمہاری یہ حالت نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ ایک
ایسی خلق کو پیدا کرتا کہ وہ گناہ کرتی اور استغفار کرتی جبکی وجہ سے خدا تعالےٰ
اسے بخشدیتا۔ یہ روایت فریقین کی صحیح کتابوں میں موجود ہے۔
اس سے ثابت ہے کہ مسلمان کا گناہ کرنا اور اس کے بعد استغفار کرنا
حق تعالےٰ کو نہایت پسند ہے تاکہ صفت مغفرت کا ظہور ہو تعجب
نہیں کہ صحابہ اسی وجہ سے کبھی کبھی گناہ بھی کر لیتے ہوں۔ تاکہ استغفار
کریں اور مغفرت الٰہی کے مستحق ہوں جو باعث خوشنودی الٰہی ہے
اب صرف گناہ کی وجہ سے ان کو کافر سمجھنا اور لعنت کرنا کسقدر
خلاف مرضی الٰہی ہوگا۔ کیونکہ جو امر باعث خوشنودی الٰہی ہے وہ باعث
لعنت بنایا جا رہا ہے۔

ابن تیمیہ رح نے منہاج السنہ جلد دوم صفحہ (۲۰۳) میں لکھا ہے
کہ مسور ابن مخرمہ رض ایک بار معاویہ رض کے پاس اعتراض کی غرض سے گئے

آپ نے تخلیہ کر کے ان سے پوچھا کہ مجھ پر جو کچھ الزام لگائے جاتے ہیں بیان کیجئے۔ انہوں نے بیان کیا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سب صحیح مگر میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے بھی کچھ گناہ کئے ہیں یا نہیں کہا کیوں نہیں فرمایا کیا آپ مغفرت کی امید رکھتے ہو کہا ہاں فرمایا کس چیز نے مجھ سے زیادہ امیدوار مغفرت بنایا حالانکہ میں نے جہاد کیا حدود اللہ قائم کئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا اور یہ سب چیزیں آپ کے اعمال سے افضل ہیں اور میں ایسے دین پر ہوں جو حسنات کو قبول کرتا ہے۔ اور سیئات سے تجاوز کرتا ہے اب کہئے کہ مجھے مغفرت سے مایوسی یا آپ سے کم امید ہونے کی کیا وجہ۔ مسور کہتے ہیں کہ مجھ سے اس کا جواب نہ ہو سکا۔

کسی سید صاحب نے جواز لعن معاویہ رضؓ میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں کتاب الاکلیل مولفہ ہمدانی سے نقل کیا ہے کہ ایک روز معاویہ رضؓ ہم نشینوں کے ساتھ بیٹھے تھے ان سے کہا کہ جو شخص علی کرم اللہ وجہہ میں جو اوصاف تھے بیان کرے تو اس کو میں یہ بدرہ دونگا۔ لوگوں نے حسب عادت جو اس زمانہ میں علی کرم اللہ وجہہ پر لعن طعن ہوا کرتی تھی۔ اشعار میں لکھے اور عمرو ابن عاص رضؓ نے بھی ایک قصیدہ لکھا جس کے اشعار یہ ہیں۔

بآل محمدٍ عرف الثواب	وفی ابیاتہم نزل الکتاب
وہم حجج الالہ علی البرایا	بہم وبجدہم لا یستراب
ولاسیما ابو حسن علیؑ	لہ فی المجد مرتبۃ تہاب
اذا طلبت صوارمہ نفوسا	فلیس لہم سواء نعم جواب
طعام ہسامہ مہج الاعادی	وفیض دم الرقاب بہا شراب
وحربتہ کبیعتہ بنجم	معاقدہا من الناس الرقاب
اذا لم تبرأ من اعداء علیؑ	فمالک فی محبتہ ثواب
ہو البکاء فی المحراب لیلاً	ہو الضحاک ان آن الضراب
ہو النبأ العظیم وفلک نوحٍ	وتاب الیہ وانقطع الجواب

جب عمرو بن عاصؓ نے یہ قصیدہ پڑھا جس میں اہل بیت کرام خصوصاً علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب اور مرتبہ اور عبادت و شجاعت وغیرہ اوصاف مذکور ہیں معاویہؓ نے وہ بدرہ انہیں کو دیا غور کیجئے کہ مقتضائے وقت تو یہ تھا کہ جس طرح علی کرم اللہ وجہہ کی کسر شان اس زمانہ میں کی جاتی تھی بمقتضائے بادشاہی و رعب شاہی مذمتیں لکھی جاتیں چنانچہ اسی بنا پر لوگوں نے اشعار لکھے جن میں سب و شتم اور لعن طعن تھی۔ مگر عمرو بن عاصؓ نے جو از او انہ قصیدہ مدحیہ لکھا وہی مقبول اور قابل تحسین ٹھیرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات

کے دلوں میں کوئی مخالفت نہ تھی بلکہ ایک دوسرے کے فضائل کے معترف تھے۔ منہاج السنہ میں ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ گناہ ہر چند سبب عذاب ہیں مگر عقوبت اخروی دس چیزوں سے دفع ہو جاتی ہے۔ (۱) توبہ (۲) استغفار (۳) اعمال صالحہ (۴) مسلمانوں کی دعا (۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور استغفار زندگی میں۔ اور وفات شریف کے بعد جس طرح آپ قیامت میں شفاعت بھی کریں گے۔ (۶) موت کے بعد جو ایصال ثواب کیا جاتا ہے (۷) مصائب دنیا (۸) قبر میں ضغطہ وغیرہ کا ہونا (۹) قیامت میں جو ہول اور سختیاں پیش آئینگی۔ (۱۰) قیامت میں پلصراط سے گذرنے کے بعد ایک دوسرے سے جو قصاص لیا جائیگا۔

ابن تیمیہؒ نے آیات اور احادیث سے ثابت کیا ہے کہ یہ امور دفع عذاب الٰہی کے باعث ہیں جب عامہ مومنین کے لئے وہ کفارۂ سیئات ہیں تو صحابہ تو بطریق اولیٰ اس کے مستحق ہیں جنہوں نے اشاعت دین کر کے خوشنودی خدا اور رسول کا تمغہ حاصل کیا تھا اتنے ذرائع مغفرت کے قائم ہونے کے بعد بھی کسی صحابی یا مسلمان پر لعنت کی جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت الٰہی سے وہ بالکل دور ہے تو کہئے کہ کس قدر مرضی الٰہی کے خلاف ہوگا۔ دیکھئے وہاں تو

مغفرت کے ذرائع کثرت سے قائم کئے جارہے ہیں یہانتک
کہ تمام ملائکہ مقربین مسلمانوں کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں
کما قال تعالیٰ والذین یحملون العرش و من حوله یسبحون بحمد ربهم و یستغفرون
لمن فی الارض اور تمام انبیاء اور اولیاء وغیرہم مامور ہیں کہ خاص
خاص وقتوں میں خصوصاً نماز میں رب اغفر للمومنین والمومنات
کہہ کہہ کر تمام مسلمانوں کو بخشوادیں اور لعنت کرنے والے صاحب کا
مقصود یہ ہے کہ نہ کوئی ذریعہ کام آئے نہ کسی کی دعا اسکے حق میں
مقبول ہو یہی وجہ لعنت کے رجوع کرنے کی معلوم ہوتی ہے۔
کیونکہ مستحق عذاب کسی ذریعہ سے مستحق مغفرت ہو جاتا ہے لعنت
کرنے والا شخص جس کے دل میں اس کی جانب سے کدورت ہے
کہتا ہے کہ خدایا اس کو ہرگز نہ بخش اور کل ملائکہ اور انبیاء اور مومنین
بھی دعا کریں تو سب کو رد کر دے تو غضب الٰہی کو کیوں نہ جوش آئے
اگر مغفرت چاہنے والوں میں شریک ہونا اس بزرگوار کو ناگوار تھا تو
ساکت ہوتا تھا۔ اس گستاخی کے کیا معنی کہ اپنی کدورت کا اثر خدا پر ڈالے
کہ ارحم الراحمین اپنے مقتضائے ذاتی کو چھوڑ کر تمام ملائکہ و انبیاء و صالحین
کی دعا کو رد کر کے اس لعنت کرنے والے کی کدورت کی وجہ سے
اس شخص کو رحمت سے بالکل محروم کر دے کیا ایسا فضول شخص

مستحق عذاب نہ ہوگا؟ عقلاً بیشک ہونا چاہیئے کسی بادشاہ جلیل القدر کے روبرو اگر کوئی اس قسم کی گستاخی کرے اور کسی قسم کا ضرر اپنے مخالف کو پہونچانا چاہے تو وہ اس کا مستحق ہوگا کہ اسی قسم کا ضرر اس پر عائد ہو اسی وجہ سے لعنت کرنے والے کی طرف اسی کی لعنت واپس آتی ہے اور وہ خود ملعون ہوجاتا ہے۔ لعنت کرنے والا چونکہ کمال غضب کی حالت میں ہوتا ہے اس لئیے بیساختہ لعنت کردیتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں الغضب مفتاح کل شر کما فی کلینی صفحہ (۲۲۳) یعنی غصہ تمام برائیوں کی کنجی ہے اس سے زیادہ اور کیا شر ہوکہ وہ خود اپنے آپ کو مستحق لعنت بناتا ہے۔

تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حریز ابن عثمان محدث حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ہر روز صبح و شام ستر ستر بار لعنت کرتے تھے۔ جب وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ انہوں نے میرے باپ، دادا، کنبے کو قتل کرڈالا یہ غصہ کا اثر تھا کہ باوجودیکہ محدث ہیں اور فن حدیث میں ید طولے رکھتے ہیں مگر مغلوب الغضب ایسے کہ روزانہ ستر ستر بار ملعون ہونا قبول یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر لعنت ضرور کریں گے نعوذ باللہ من ذلک ومن المہالک اسیطرح بعض سادات باوجود سنی

ہونے کے صرف اس وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کرتے ہیں کہ اپنے جد امجد علی کرم اللہ وجہہ کی انہوں نے مخالفت کی تھی اگرچہ جواز لعنت پر بہت سے واقعات سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ ظالم تھے اور ایسے تھے اور ویسے تھے مگر دراصل منشا اس کا غصہ اور تعصب و حمیت خاندانی ہے حالانکہ تعصب اہل بیت کرام کے نزدیک سخت مذموم ہے چنانچہ کلینی صفحہ (۵۲۵) میں ہے۔ عن ابی عبداللہ علیہ السلام من تعصب او تعصب لہ فقد خلع ربق الایمان عن عنقہ یعنی جو شخص تعصب کرے سمجھ لو کہ ایمان اس سے نکل گیا لعنت کرنے والے حضرات کا بڑا استدلال اس پر ہے کہ معاویہ ظالم اور مسلمانوں کے قاتل تھے اور بعض بدعتیں انہوں نے ایجاد کیں اور ان اصناف کا ملعون ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے مثلاً لعنۃ اللہ علی الظالمین وغیرہ مگر دیکھنا یہ چاہئے کہ ظلم وغیرہ کبائر جن کے مرتکب پر لعنت کا اطلاق ہوا ہے ایا ان کی خاصیت یہ ہے کہ ان کا مرتکب قطعاً ملعون اور دوزخی ہو جاتا ہے اور مغفرت کی اسے امید ہی نہیں یا ایسا نہیں ہے۔ آیات و احادیث سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے سوا کسی گناہ میں یہ خاصیت نہیں کہ قطعاً دوزخی بنا دے چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ لا یغفر

ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء یعنی خدا تعالیٰ مشرک کو
تو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسکو چاہیگا بخش دیگا اس سے ظاہر ہے کہ
حقیقۃً ملعون فقط مشرک ہے اور کوئی مشرک لعنت سے بچ نہیں سکتا
بشرطیکہ خاتمہ شرک پر ہوا ہو بخلاف دوسرے گناہوں کے کہ انہیں
اس قسم کی تعمیم نہیں مثلاً ظالم، کاذب وغیرہ کے بہت سے افراد
ایسے بھی ہوں گے کہ بحسب آیۂ موصوفہ خود خدا تعالیٰ انہیں بخش دیگا
اور بہت سے اسباب مذکورۂ بالا سے بخشے جائیں گے اگر ایسا نہ ہوتا
تو تمام امت مرحومہ معاذ اللہ ملعون ہو جاتی کیونکہ یہ مسلم ہے کہ
سوائے انبیا کے کوئی معصوم نہیں اور حضرات شیعہ ائمہ کو بھی
معصوم کہتے ہیں بہر حال سوائے معصوموں کے جتنے مرتکب گناہ ہوں
سب کا ملعون ہونا ثابت ہو جاتا اس سے ظاہر ہے کہ مرتکب کبائر پر
جو لعنت وارد ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ خواہ مخواہ وہ ملعون سمجھا
جائے دیکھئے لعنت اللہ علی الکاذبین کا مطلب یہی ہے کہ
جو کوئی خلاف واقعہ خبر دے وہ ملعون ہے مگر حضرات شیعہ علی کرم اللہ
وجہہ اور ائمہ کرام کو ہرگز ملعون نہیں سمجھتے حالانکہ خلفائے ثلاثہ کی توصیف
میں ان حضرات سے اکثر روایتیں وارد ہیں جنکو تقیہ پر محمول کرتے ہیں
جو در اصل خلاف واقعہ سمجھے جاتے ہیں اور جھوٹ کی حقیقت بھی یہی ہے

مگر اس جھوٹ کو موجب لعنت نہیں کہ سکتے اسیطرح خضر علیہ السلام نے زبردستی کشتی توڑدی اور بیگناہ لڑکے کو قتل کرڈالا مگر یہ ظلم اور قتل موجب لعنت نہیں اور لعنت اللہ علی الظالمین کا وہ مصداق نہیں ہوسکتے جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے اور نیز علی کرم اللہ وجہہ و دیگر صحابہ نے ہزارہا مسلمانوں کو قتل کیا اور مسلمان باغی ہوجائیں تو انکو قتل کرنیکا حکم ہے حالانکہ وہ بھی مومنین کا قصداً قتل ہے جسکی وجہ سے بحسب آیہ شریفہ

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ قاتل ملعون ہوجاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر قاتل وظالم کو ملعون نہیں کہ سکتے اب یہ کسطرح پہچانا جائے کہ فلان ظالم یا کاذب ملعون اور قابل لعنت ہے یہ تو وہ شخص جانے جس کو ہر ایک کی شقاوت وسعادت اُخروی کا علم ہو تاکہ خاص اسی پر لعنت کرے جس کا ملعون ہونا اسکو معلوم ہو اور جسکو یہ علم نہ ہو تو کبھی تو اسکی لعنت ملعون حقیقی پر پڑ جائیگی اور کبھی ایسے شخص پر جو علم الٰہی میں ملعون نہیں ہے اور جب ایسے شخص کی طرف جائیگی جو فی الواقع ملعون نہ ہو تو بحسب احادیث متفقہ سنی وشیعہ وہ لعنت کرنے والے ہی کی طرف لوٹیگی جس سے وہ خود ملعون ہوجائیگا۔

کلینی کی روایت اس باب میں ابھی مذکور ہوئی اور ترمذی وابوداؤد میں

ابن عباسؓ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من لعن شیئاً لیس لہ باہل رجعت اللعنت علیہ کذا فی المشکوٰۃ یعنی جو شخص کسی پر لعنت کرے اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو لعنت اسی شخص پر لوٹتی ہے جسنے لعنت کی۔ غصہ کی حالتمیں جب اپنے مخالف کا خیال یا ذکر آتا ہے تو آدمی اپنے دل کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اس پر لعنت کر کے یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس پر ایک ایسا پہلے درجہ کا وار کیا کہ وہ سنبھلنے نہ پایا یا یوں کہئیے کہ اس کو قتل کر ڈالا یعنی اس کی آخرت خراب کی اگر یہ اندرونی خیال نہ ہو تو لعنت کرنیکی ضرورت ہی کیا تھی غصہ کی حالت میں اموات پر لعنت کرنا یہ بتلاتا ہے کہ اگر وہ اسوقت سامنے ہوتا تو اس کو قتل ہی کر ڈالتا گویا یہ کلمہ بجائے قتل کے ہے خدائتعالی ایسے خیالات ضرر رسانی کو کب جائز رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا وبال اسی پر لوٹتا ہے اگر لعنت کا لوٹنا محسوس اور اس عالم میں اس کا اثر نمایاں ہوتا تو بحسب حدیث شریف بیموقع لعنت کرنے والے پر آثار لعنت نمایاں ہو جاتے اور دوسرے اس سے عبرت حاصل کر کے اس فعل شنیع سے بچتے۔ مگر افسوس ہے کہ لعنت کا اثر اس عالم میں نمایاں نہیں ہوتا کیونکہ لعنت اس رحمت الٰہی سے دور ہونیکا نام ہے جو آخرت میں ہونے والی ہے۔ اس لئے

معلوم نہیں ہوسکتا کہ لعنت جس پر کی گئی اسی پر پڑی۔ یا لعنت کرنیوالے پر لوٹ آئی جس کا اثر قیامت میں ظاہر ہوگا کہ یہ لعنت کرنے والا رحمت الٰہی سے دور ہو جائیگا۔ اب ان احادیث پر ایمان لانیوالیکا فرض ہے کہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس کا ملعون ازلی ہونا قطعی طور پر معلوم کرلیا ہو تاکہ لعنت کو واپس ہونیکا موقع نہ ملے اور غلط فہمی سے لعنت اللہ علی الظالمین وغیرہ کا مطلب یہ نہ سمجھ لے کہ جس نے جھوٹ کہا یا ظلم کیا وہ ازلی اور قطعی ملعون ہے کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ ان آیات کا مصداق عام نہیں یعنی ہر ظالم ملعون نہیں۔ ہاں اگر قرآن وحدیث میں کسی خاص پر لعنت ہو تو ہم بھی بیشک اس پر لعنت کرسکتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ جن صحابہ پر لعنت کی جاتی ہے نہ قرآن میں ان پر لعنت وارد ہے نہ صحیح حدیث میں بلکہ قرآن شریف میں ہر مسلمان کا فرض بتایا گیا ہے کہ ہر گذشتہ مسلمان کے حق میں دعائے مغفرت کیا کریں چنانچہ ارشاد ہے۔

والذین جاؤا من بعدھم تقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

یعنی جو لوگ مہاجرین وانصار کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ الٰہی ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے

ایمان کے ساتھ گذر گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو یہ دعا نہیں کرتے۔ ان کے مسلمان ہونے میں کلام ہے والذین جاؤ من بعدھم ہر زمانے کے مسلمانوں پر صادق آسکتا ہے اس لئے کہ سب ان کے بعد آئے ہوئے ہیں اس صورت میں مقتضائے اخبار الٰہی یہی ہوگا کہ ہر زمانے کے مسلمان یہی ہوں گے جو صحابہ کے دعا گو ہیں۔ ورنہ اخبار الٰہی کا خلاف واقع ہونا لازم آئیگا جو محال ہے والذین جاؤ من بعدھم سے مراد صحابہ کے بعد کے لوگ ہیں اس وجہ سے کہ صواعق محرقہ میں مسلم شریف سے یہ روایت منقول ہے کہ عائشہؓ فرماتی ہیں۔ اُمروا بان یستغفروا باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فسبوھم یعنی حکم تو یہ تھا کہ صحابہ کے لئے استغفار کریں اور ہو رہا ہے یہ کہ ان کو لوگ گالیاں دیتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ گالیاں دینے والے صحابہ کے بعد کے لوگ تھے یعنی خود صحابہ نہ تھے اور وہ اس آیت سے استغفار کرنیکے مامور ہیں ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کیا کریں حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ آپس میں جنگ وجدال کریں گے۔ بہر حال کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیہ شریفہ

حکم کرتی ہے کہ بعد والے صحابہ کے حق میں دعائے مغفرت کیا کریں اور ان سے بغض و کینہ نہ رکھیں اور اگر اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جو مہاجرین و انصار کے بعد اس آیہ شریفہ کے نزول تک اسلام میں داخل ہوئے ہیں تو جب بھی ان کا اتباع ضرور ہے کیونکہ جب انہوں نے ان آیات شریفہ کو سنا ہوگا۔

للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم الخ جن میں مہاجرین و انصار کا خصوصیات کیساتھ ذکر ہے کہ مہاجرین اپنے گھر بار سے نکالے گئے۔ اور خدائےتعالیٰ کا فضل اور رضامندی طلب کرتے ہیں۔ اور خدا و رسول کی مدد کرتے ہیں اور انصار کے حالات یہ بیان کئے گئے کہ وہ مہاجرین کو دوست رکھتے ہیں اور ایثار کرتے ہیں اور اسکے ساتھ ان بعد والے اصحاب نے اپنا بھی ذکر ان آیتوں کے بعد سنا ہوگا۔ کہ باوجودیکہ نماز روزہ حج زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ عبادات روزمرہ سے متصف ہیں مگر ان سب میں سے یہی ایک صفت یاد فرمائی گئی کہ گذشتہ مسلمانوں کے دعاگو اور سچے دوست ہیں۔ تو کہیئے کہ کس قدر وہ اس صفت کے دلدادہ ہوئے ہوں گے کیوں نہ ہو قیامت تک ان کی اس صفت کا ذکر خدائےتعالیٰ کے کلام میں پڑھا جائیگا۔ ممبروں پر واعظ اسی صفت جمیلہ کو ذکر کرکے

مسلمانوں کو ترغیب دلاتے ہیں۔ نمازوں میں پڑھ کر اہل اسلام تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں غرضکہ والذین جاؤ من بعدہم سے مراد اگر صحابہ ہی ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ جب بھی یہ صفت تمام اہل اسلام کے نزدیک قابل قدر ہونی چاہیئے۔

الحاصل قرآن شریف میں بجائے اس کے کہ کسی صحابی پر لعنت کرنے کا حکم یا اجازت ہو ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر ان سے کوئی گناہ بھی صادر ہو جائے تو بعد والے لوگ ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں۔

ہم نے جو لکھا کہ کسی معین شخص پر لعنت درست نہیں اگرچہ موجب لعنت اس میں پایا جائے۔ اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاٰخرۃ یعنی جو لوگ پاکدامن بیبیوں پر الزام زنا لگاتے ہیں۔ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ حسان بن ثابت اور مسطح رضی اللہ عنہما نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر معاذ اللہ یہ تہمت لگائی تھی باوجود اس کے ان صاحبوں کو نہ کسی نے ملعون کہا نہ کہنا جائز ہے۔ جب بروایات صحیحہ حضرات شیعہ لعنت کرنے والا بدترین خلائق اور مشرف

علی الہلاک ہونا ثابت ہے اور نیز احادیث صحیحہ فریقین سے مصرح ہے کہ لا یکون المومن لعانا کما فی الترمذی وغیرھم۔ اور بروایات فریقین لعنت کرنے والے کا ملعون ہو جانا ثابت ہے تو اب ایسی کونسی ضرورت ہے۔ کہ آدمی صحابہ پر لعنت کر کے بدترین خلائق اور بے ایمان اور ملعون بنے۔

مجوزین لعنت لایکون المومن لعانا کے معنی یہ بتلاتے ہیں۔ کہ جو شخص مستحق لعنت نہ ہو اس پر مومن لعنت نہیں کرتا۔ اور جو مستحق لعنت ہو اس پر لعنت کرنا چاہئے۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ فساد کیا خدا اور رسول کو ایذا دی۔ قطع رحم کیا ظلم کیا مسلمانوں کو قتل کیا اور یہ ایسی صفات ہیں کہ جو کوئی ان کا مرتکب ہو بحسب آیات واحادیث ملعون ہے۔ اس لئے ان پر لعنت کرنا چاہیئے۔ مطلب یہ کہ لعنت اللہ علی الظالمین کے لحاظ سے جس ظالم کو آدمی دیکھے اس پر لعنت کرے۔ اسی طرح جس پر عمومی لعنت وارد ہوئی ہے اس کے ہر فرد پر لعنت کیا کرے۔ اس استدلال میں ہمیں کلام ہے اس لئے کہ اقسام کے لوگوں پر عام طور پر لعنت قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ چنانچہ سود لینے اور دینے والا اور اس کا لکھنے والا اور شاہد اور شرابی اور شراب بیچنے والا اور اسکا

اور معاون اور چور اور شطرنج کھیلنے والا اور نوحہ کرنے والی عورتیں
اور اس کا سننے والا اور مجلس کے حلقے کے وسط میں بیٹھنے والا
اور وہ فقیر جو خدا کا واسطہ دیکر کچھ مانگے اور وہ شخص جو اس کو کچھ نہ دے
اور خطبہ اور اشعار میں تکلف کرکے ان کو عمدہ اور دلچسپ بنانیوالا
اور وہ شخص جو روپیہ جمع کرے اور مسلمان کو کسی قسم کا ضرر پہنچانیوالا
اور جھوٹا وغیرہ جن پر قرآن وحدیث میں لعنت وارد ہے کثرت سے
موجود ہیں۔ اب اگر یہ بات ٹھیر جائے کہ جن میں یہ صفات پائیجائیں
ان پر لعنت کرنا چاہئیے۔ تو صبح سے شام تک لعنت کرنے سے
فرصت نہ ملے۔ اس لئے کہ شاید ہزاروں میں کوئی ایسا ہوگا۔
جس میں کوئی صفت موجب لعنت نہ پائی جائے۔ کیونکہ سب
معصوم نہیں۔ پھر خود لعنت کرنے والے صاحب بھی تو معصوم نہیں
ان پر بھی ہر طرف سے لعنت کی بوچھار ہوگی۔ جس کا لازمی نتیجہ
یہ ہوگا کہ ابتدا تو لعنت سے ہوگی پھر دھول دھپہ جوتی ہزاروں سے
کشت وخون کی نوبت روزانہ پہنچا کریگی۔ اور آیہ شریفہ ولاتنازعوا
فتفشلوا فقط تلاوت کیلئے رہجائیگی اسی وجہ سے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ المومن لایکون لعاناً۔ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے
کہ معصوموں پر لعنت نہ ہو اور ان کے سوا سب پر فراغت سے

لعنت کیا کریں۔ تو اس بد امنی کا مانع کون ہو؟ اگر کہا جائے کہ اتنی عام اجازت
نہیں فقط معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاپر لعنت کرنا چاہئے
تو اس ترجیح بلا مرجح کے لئے دلیل کی ضرورت ہوگی حالانکہ کسی حدیث میں
یہ بات دیکھی نہیں گئی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ یا باغیوں پر ہمیشہ لعنت کیجائے
بلکہ بجائے لعنت کے یہ حکم مصرح ہے کہ کل مسلمانوں کے واسطے
دعائے مغفرت کرنا چاہئے۔ خواہ زندہ ہوں یا مردہ اسی وجہ سے
نمازوں اور خاص خاص وقتوں میں عموماً مسلمان یہ کہتے ہیں۔
رب اغفر للمومنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منہم والاموات
یعنی اے رب تمام زندہ اور مردہ مسلمانوں کو بخش دے جنمیں
باغی لوگ بھی شریک ہیں کیونکہ مسلمانوں میں جو باغی ہوئے انکو
حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے خارج نہیں کیا۔ بلکہ ان کو بھی مومنین کے
لقب سے یاد فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا
فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی
حتی تفیٔ الی امر اللہ یعنی اگر ایمانداروں میں سے دو جماعتیں
باہم جنگ کریں تو دونوں میں صلح کرادو۔ پھر اگر ایک دوسرے پر
بغاوت کرے تو باغیوں کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے
کی طرف وہ رجوع کریں۔ دیکھئے باغی لوگ ظالم بھی ہوتے ہیں۔

اور مسلمانوں کو قتل بھی کرتے ہیں اور حدود الٰہی سے تجاوز بھی کرتے ہیں
مثلاً نقض امن بغض عداوت حسد کینہ تخویف مسلمین استحلال اموال و انفس
اہل اسلام نہب و غارت و فساد فی الارض لعن سب و شتم تکبر وغیرہ
امور جو ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اور یہ ہر ایک امر ایسا ہے کہ اسکے
مرتکب پر آیات و احادیث میں لعنت وارد ہے۔ باوجود اس کے کہ
ان کو خدا تعالیٰ نے مؤمنین ہی فرمایا اور مومنین کی مغفرت کے لئے
دعا کرنے کی ترغیب دی جس پر تمام مسلمان عمل پیرا ہیں۔ اور حدیث
صحیح میں وارد ہے جو مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے حق میں غائبانہ
دعائے خیر کرے تو فرشتہ آمین کہکر یہ کہتا ہے کہ تیرے لئے
بھی وہی ہے جو اس کے لئے تو نے دعا کی یعنی اگر دعائے
مغفرت کی تو اس دعا گو کے لئے بھی مغفرت ہوگی۔ اب کہئے
کہ آیات و احادیث سے معاویہ رض کے حق میں دعائے خیر کرنیکی ترجیح ہے
یا بد دعا کی؟ بلکہ اس حدیث صحیح سے تو یہ اچھی طرح ثابت ہوتا ہے
کہ اگر ان کا نام لیتے وقت دعا کریں کہ خدایا تو ان سے راضی ہو۔
اور رضی اللہ عنہ کہیں تو فرشتے ہمارے حق میں رضامندی الٰہی کی
دعا کریں بخلاف اس کے لعنت کرنے میں احتمال تو بھی ہے۔

کہ لعنت رجوع کرے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ جامع الصغیر میں طبرانی سے نقل کیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ من سب اصحابی اس سے تو معلوم ہوا کہ وہ لعنت چاہے رجوع کرے یا نہ کرے نفس فعل سے لعنت کرنے والا ملعون ہو جاتا ہے اس لئے حضرت نے اس میں کوئی شرط نہ لگائی بلکہ عموماً صحابہ کو گالی دینے والے کی نسبت فرمایا۔ اب معاویہ رضی اللہ عنہ جب تک صحابہ سے خارج نہ کئے جائیں ان کی نسبت بدگوئی درست نہیں ہو سکتی اور صحابہ سے ان کو خارج کرنا محال ہے۔ بعض سادات باوجود سنی ہونے کے حمیت نسبی کی وجہ سے ان پر لعنت کرتے ہیں اور وہ مجبور ہیں۔ بمقتضائے طبیعت آیات واحادیث کو کھینچ تان کر معاویہ رضی پر منطبق کرتے ہیں۔ اور دوسری آیات واحادیث کو جو عدم جواز لعن میں وارد ہیں۔ بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے ہریز بن عثمان علی کرم اللہ وجہہ پر صبح وشام ستر ستر بار لعنت کیا کرتے تھے۔ جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ میرے آباواجداد اور کنبے کو انہوں نے قتل کر ڈالا۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ اکابر محدثین نے گواہی دی ہے کہ شام کے محدثوں میں کوئی اُن سے افضل نہ تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ہم نے

اپنے تمام اساتذہ سے سنا ہے کہ ان کی توثیق کرتے تھے۔ اس سے زیادہ کیا ہو کہ امام بخاری جیسے امام المحدثین نے ان کی روایتیں صحیح بخاری میں لکھی ہیں امام احمدؒ جیسے محب اہل بیت جن کی عقیدت کا حال کسی قدر ہم نے حقیقۃ الفقہ میں لکھا ہے۔ وہ ان کی نسبت فرماتے ہیں۔ ثقۃ ثقۃ غرضکہ اکابرین دین کی تحقیق سے ثابت ہے کہ دین کے کسی معاملہ میں ان پر کسی قسم کا الزام عائد نہ تھا جتنے امور تدین کے محدث کو چاہیئے سب ان میں موجود تھے۔ مگر ایک یہی بات تھی کہ علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت بدگوئی کرتے تھے۔ جس کی وجہ بھی بیان کر دیگئی چونکہ غم و غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ آدمی کو حد جنون تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے محدثین نے ان کو خاص اس مسئلہ میں مرفوع القلم سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح سنی سادات جو معاویہؓ پر لعنت کرتے ہیں۔ وہ بھی اسی غصہ کا مقتضیٰ ہے۔

رہا آیات و احادیث سے استدلال حریز بھی اپنے بچاؤ کے لئے ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوں گے۔ جس سے خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے معاذ اللہ کفر پر استدلال کرتے ہیں جو کتب خوارج اور منہاج السنہ میں مذکور ہیں۔ گو نقل کفر کفر نباشد مگر اس نقل کو بھی ہم ہرگز مناسب نہیں سمجھتے۔ بہر حال تعصب کی حالتیں جو استدلال کئے جاتے ہیں وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ تعصب کا پردہ

جب آنکھوں پر پڑ جاتا ہے تو حق بات کبھی نہیں سوجھتی اسی وجہ سے اہل سنت والجماعۃ نے تعصب کو ایکطرف رکھکر جسقدر آیات واحادیث اس باب سے متعلق ہیں ان کو پیش نظر رکھا اور اجتہاد کر کے فیصلہ کردیا۔ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ پر زبان لعن وطعن نہ کھولی جائے اور یہ بھی تصریح کردی کہ صحابہ کے باہمی جنگ وجدال کتب تواریخ میں نہ دیکھے جائیں۔ اس لئے کہ مقتضی اکثر طبائع کا یہ ہے کہ ایک آدھ بات دیکھکر فیصلہ کردیتے ہیں اور رشد شدہ تعصب کی نوبت پہنچ جاتی ہے حالانکہ فیصلہ کرنا مجتہد کا کام ہے جس کی دشواریاں حقیقۃ الفقہ میں ہم نے بیان کی ہیں۔

ابن تیمیہ رح نے منہاج السنہ کی جلد اول صفحہ ۱۵۳ میں لکھا ہے کہ بخاری اور مسلم میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لاتسبوا اصحابی فلوان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ یعنی میرے اصحاب کو گالی نہ دو۔ اگر کوئی مسلمان جبل احد کے برابر سونا خرچ کرے تو اسکا ثواب اس ایک مد یا نصف مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو صحابہ نے خرچ کیا انتہی۔

مد اور نصف مد سے مراد غلہ ہے اس لئے کہ سونا مد سے کے

حساب سے نہیں خرچ کیا جاتا کیونکہ مد ایک چھوٹا پیمانہ ہے مطلب یہ
کہ آدھ سیر یا پاؤ سیر جو یا گیہوں صحابہ نے جو خرچ کیا اس کا اتنا ثواب ہے
کہ اگر جبل احد کے برابر سونا کوئی خرچ کرے تو بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا
اور منہاج السنہ میں مسلم شریف سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لاتسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لوان احدکم

انفق مثل احد ذہبا مابلغ مد احدھم ولانصیفہ

اس حدیث میں تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ عام مسلمانوں کا احد برابر سونا
خرچ کرنا صحابہ کے آدھ سیر یا پاؤ سیر غلہ خرچ کرنے کے برابر نہیں۔
اب کہئے کہ ان صحیح حدیثوں سے جب عموماً صحابہ کو گالیاں
دینے کی ممانعت ثابت ہو گئی تو لعنۃ اللہ علی الظالمین کے
لحاظ سے صحابہ پر لعنت کیونکر جائز ہو گی۔ جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے سبِ صحابہ سے منع فرمایا تھا تو اس وقت
اس قسم کے تمام آیات پیشِ نظر تھے۔ جنکو تمام حضار جانتے تھے
مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ حضرت ان عام لعنتوں کے باب میں جو آیات
و احادیث وارد ہیں ان میں صحابہ اور غیر صحابہ سب شریک ہیں
پھر ان پر لعنت کرنے سے کون چیز مانع ہے۔ کیا ممکن تھا

کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مقابلہ میں
یہ معارضہ پیش کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ شارع علیہ السلام نے
جو کچھ فرمایا اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ اس سے یہ بھی
مستفاد ہوتا ہے کہ الظالمین سے مراد کل ظالم نہیں اس پر قرینہ
یہ آیہ شریفہ ہے۔ والذین جاؤا من بعدھم یقولون
ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا
اس میں صحابہ کے حق میں دعا کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ
جانتا تھا کہ ایک بڑی جماعت باغی ہو جائیگی اور ان سے گناہ
صادر ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ صحابہ کے باب میں
ان عمومی آیات سے قطع نظر کرکے ان کے حق میں دعا
کیا کریں۔

منہاج السنہ صفحہ ۱۵۳ میں سعد بن ابی وقاص رضی کا قول نقل کیا ہے
کہ اس آیہ شریفہ یعنی والذین جاؤا من بعدھم کے لحاظ سے
وہ اچھے لوگ ہیں جو صحابہ کے حق میں استغفار کیا کرتے ہیں
اور صحیح مسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ عائشہ رض سے کہا گیا
کہ لوگ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بدگوئی
کیا کرتے ہیں۔ فرمایا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں صحابہ کا عمل منقطع ہو گیا

اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا اجر منقطع نہ ہو انتہیٰ۔

مطلب یہ کہ جو لوگ ان کے حق میں بدگوئی اور لعنت کیا کرتے ہیں۔ ان کی نیکیاں صحابہ کو دی جائیں گی۔ اور یہ قیامت تک جاری رہیگا۔ عائشہؓ نے ایک گر کی بات بتائی کہ صحابہ چونکہ مقبولان بارگاہ رب العزت تھے اس لئے خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ قیامت تک ان کے ثواب میں ترقی ہوتی رہے۔ چونکہ انتقال کی وجہ سے ان کے اعمال جن پر ثواب کا مدار ہے منقطع ہو گئے اس لئے اس کی یہ تدبیر کی گئی کہ بلحاظ آیہ والذین جاؤا من بعدہم مسلمانوں ان کے حق میں دعائے خیر کیا کریں جس سے ترقی مدارج وقتاً فوقتاً ہوتی رہے اور جو لوگ اس آیہ پر عمل نہ کرکے ان کی غیبت اور ان پر لعنت کیا کرتے ہیں ان کے اعمال ان حضرات کو ملا کریں۔ غرضنکہ ہر طرح سے قیامت تک ان کے ثواب میں ترقی ہوتی رہیگی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔ یعنے تم مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کیا اور لڑے وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہوسکتے۔ درجہ میں ان مسلمانوں سے وہ بڑھ کر ہیں جنہوں نے

بعد کو مال خرچ کیا اور لڑے - اور اللہ تعالیٰ نے سب سے وعدہ جنت کا کیا ہے۔

دیکھئے اس آیۂ شریفہ میں صاف اور صریح ارشاد ہے کہ کل صحابہ سے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے جس کا خلاف ممکن نہیں ایسے لوگوں کی نسبت اگر کہا جائے کہ وہ ملعون یعنی رحمت الٰہی سے دور ہیں تو کیا یہ بات سچ ہو سکتی ہے یا یہ کہنا درست ہوگا کہ الٰہی انکو اپنی رحمت سے دور کر۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ دعا سُن لیگئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس آیۂ شریفہ میں جو وعدہ فرمایا گیا اس کا ایفا نہ ہوگا - حالانکہ ہر فرقہ کا مسلم امر ہے کہ تخلف فی الوعد جائز نہیں تعجب نہیں کہ اس دعا کا الٹا اثر ہو کیونکہ جب عام مسلمانوں پر لعنت کرنے سے رجوع لعنت کا احتمال ہے تو یہاں رجوع کا یقین ہونا چاہیئے۔ کیونکہ باوجود خدا تعالیٰ کے وعدے کے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ الٰہی ان سے وعدہ خلافی کر اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کو خدا تعالیٰ نے برگزیدہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف عطا فرمایا۔ پھر ایسے برگزیدہ لوگوں کی بدخواہی اور ان پر لعنت کرنا کیوں کر درست ہوگا۔ یہ امر شاہد ہے کہ جس پر بادشاہ کی عنایت ہوتی ہے

اس کے سب ہوا خواہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اس کو کوئی گالی دے تو وہ مستوجب سزا سمجھا جاتا ہے۔ یہ شرف جو ان حضرات کو حاصل ہے صرف اسی وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی مصاحبت میں اختیار فرمایا تھا۔ ورنہ وہی ابولہب اور ابوجہل بڑے بڑے درجہ کے لوگ مانے جاتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جد ہونے کا افتخار بھی ان کو حاصل تھا مگر ان سے محبت نہیں رکھ سکتا۔

کنز العمال میں کئی روایتیں ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ احفظونی فی اصحابی یعنی میرے اصحاب کے معاملہ میں مجھے نہ بھولنا۔ مطلب یہ کہ جب انکا خیال کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پیش نظر رہے تاکہ آپ کی وجہ سے ان کی بزرگی اور فضیلت سمجھی جائے۔

اور مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم یعنی صحابہ کے ساتھ محبت یا بغض رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ محبت یا بغض رکھنا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ یعنی آپ کہیئے کہ میں تم لوگوں سے

کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا۔ صرف یہی درخواست کرتا ہوں کہ میرے
قرابتداروں سے مودۃ اور دوستی رکھو۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ قریش میں
کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرابت نہ ہو
اس لحاظ سے جتنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار
صحابہ تھے۔ سب سے محبت رکھنے کی ضرورت ہے خواہ
بنی ہاشم ہو یا بنی اُمیہ وغیرہ۔ البتہ مدارج میں فرق ہے
بیشک اہل بیت کرام سے زیادہ محبت کی ضرورت ہے۔
مگر اس سے لازم نہیں آسکتا۔ کہ اوروں سے بغض رکھا جائے
بلکہ بغض رکھنے کی صورت میں اس آیۃ شریفہ کی مخالفت
لازم آجائیگی۔ کنز العمال میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے برگزیدہ فرمایا۔
اور میرے لئے صحابہ کو برگزیدہ کیا۔ اور ان میں سے میرے وزیر
اور اصہار مقرر فرمائے۔ سو جو شخص ان کو گالی دے اس پر اللہ
اور ملائکہ اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے روز
نہ اس کے فرائض قبول کئے جائیں گے نہ نوافل منہی الارب میں
لکھا ہے کہ اصہار داماد و پدر زن و برادر زن و دیگر اہل بیت زن

دیکھئے معاویہ رضی اللہ عنہ علاوہ اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی قرابت قریبہ رکھتے تھے حضرت کے سالے بھی تھے۔ پھر ان پر لعنت کرنا کیوں کر جائز ہوگا۔ اس مضمون کی اور بھی روایتیں کنز العمال میں موجود ہیں۔ رہا یہ کہ ان حضرات میں باہم کچھ شکر رنجیاں واقع ہوگئی تھیں تو وہ دوسری بات ہے اگر ان کے ساتھ محبت ہے تو صحابی ہونے کی حیثیت سے نہ معاذ اللہ اس وجہ سے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے وہ مخالف تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا کہ صحابی ہونیکی وجہ سے محبت ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ کنز العمال میں ہے۔ اللہ

اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم یعنے صحابہ کے باب میں خدا سے ڈرتے رہو میرے بعد انکو نشانہ ملامت نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھا اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھا۔ اور جس نے انسے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا انتہیٰ۔

اللہ اکبر کیسی سخت بات ہے کہ ان سے بغض رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے۔ اب کہئیے کہ مسلمان

کیا کریں۔ سید صاحب کی بات سنکر ان حضرات سے بغض رکھکر ملعون بنیں۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرکے ان کی صحابیت کی وجہ سے ان سے بغض کو دور کریں۔ ہم تو یہی کہیں گے۔ سید صاحب کو ضرور ہے کہ اگر خاندانی لحاظ سے بغض ہو بھی تو دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس بغض کو دور کرے جس سے اس آیۂ شریفہ پر بھی عمل ہو جائے۔

قولہ تعالیٰ۔ والذین جاؤ ا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا۔ اس آیۂ شریفہ میں اس امر کی پیشینگوئی ہے کہ صحابہ میں ایسے واقعات پیش آئیں گے کہ انکا اثر مدتوں جاری رہیگا۔ اور بمقتضائے بشریت ایک جماعت دوسری جماعت سے بغض و عداوت رکھے گی۔ اور چونکہ یہ عداوت ان کے حق میں مضر ہے اور حق تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت مرحومہ پر کمال درجہ مہربان ہے اس لئے یہ دعا تعلیم کی گئی۔ کہ ان حضرات کا کینہ ہمارے دل میں آنے ہی نہ پائے۔ تاکہ اس کا برا انجام ہمیں بھگتنا نہ پڑے اس پر بھی اگر ہم کینہ رکھیں اور اس کے دفع ہونیکی خواہش بھی نہ کریں تو

کس درجہ خلاف مرضی الٰہی ہوگا۔ منہاج السنہ صفحہ ۱۵۴ میں ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی نہ دو۔ اس لئے کہ ان کی ایک ساعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گذرتی تھی۔ تمہارے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے انتہیٰ۔ مطلب یہ کہ ترقی مدارج قرب الٰہی عبادت سے متعلق ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے ایک ساعت میں وہ ترقی مدارج ہوتی تھی۔ کہ اوروں کو چالیس برس کی عبادت میں نصیب نہ ہو۔ اسی وجہ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طوبیٰ لمن رآنی۔ پھر کیونکر جائز ہے کہ جن حضرات کا تقرب الٰہی اس درجہ کا ہو ان کی توہین کی جائے۔

کنز العمال میں روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرے ہوؤں کو گالی نہ دو۔ اس لئے کہ ان کو گالی دینا حلال نہیں ہے دیکھئے اس میں کوئی تخصیص نہیں بلکہ عام اموات کو گالی دینا جائز نہیں چہ جائیکہ صحابہ اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کافر کو گالی دیکر مسلمان کو ایذا مت دو انتہیٰ۔ غور کیجئے کہ کافر کو گالی دینے سے مسلمانوں کی ایذا ہو تو اس کو

گالی دینا درست نہیں پھر صحابہ کو گالیاں دیکر ایک بڑی جماعت
اہل سنت کو ایذا دینا کیونکر جائز ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے
کہ مردوں کو گالی دیکر زندوں کو ایذا مت دو۔ مجوزین لعنت شخصی کا
بڑا استدلال اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابوسفیان وغیرہ پر اور علی کرم اللہ وجہہ نے معاویہ رض پر لعنت کی ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان حضرات پر
لعنت کرنا تو عین رحمت تھا۔ چنانچہ کنز العمال میں کئی روایتیں اس
مضمون کی مذکور ہیں۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خدا تعالیٰ سے معاہدہ
کرلیا ہے۔ کہ جس مسلمان پر میں لعنت کروں یا گالی دوں تو وہ
اس کے حق میں زکوٰۃ اور اجر ہو جائے۔ اور ایک روایت میں ہے
کہ الٰہی اگر میں کسی امتی کو گالی دوں یا لعنت کروں تو اس کے
حق میں صلوٰۃ وزکوٰۃ و قربت پاوے جس کی وجہ سے وہ قیامت کے
روز تیرا تقرب حاصل کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ الٰہی
جس امتی کو میں گالی دوں اس کے لئے تو کفارۂ گناہ اور اجر بنادے۔
اور ایک روایت میں ہے کہ الٰہی جس امتی پر میں بددعا یا لعنت
کروں تو اس کو اس کے حق میں برکت، مغفرت، رحمت اور طہور بنادے

ان کے سوا اور کئی روایتیں کنز العمال میں مذکور ہیں جن سے ظاہر ہے کہ وہ لعنت معمولی نہیں جو ممنوع ہو۔ بلکہ وہ رحمۃ للعالمین کی رحمت ہے جس کا نتیجہ رحمت ہ مغفرت گناہ اجر اور تقرب الٰہی ہے ایسی لعنت تو اوروں کے ہزار بار رحمۃ اللہ علیہ کہنے سے بہتر ہے اب اگر کسی کی لعنت اس قسم کی ہو تو شوق سے لعنت کیا کرے مگر چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

رہا علی کرم اللہ وجہہ کا لعنت کرنا سو ممکن ہے کہ آپنے بھی باتباع نبوی اس لفظ کو کم از کم دعائے مغفرت میں استعمال فرمایا ہو ورنہ ان روایتوں میں ہمیں کلام ہے اس لئے کہ قران وحدیث اور خود علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال سے ثابت ہے۔ کہ اگر کوئی کسی پر ظلم کرے تو بہتر ہے کہ مظلوم اس کو معاف کر دے حق تعالیٰ متقین کی صفت میں فرماتا ہے۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین یعنے وہ غصہ کو کھانیوالے اور لوگوں کے قصور معاف کرنے والے ہیں اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔ دیکھئے غصہ کو کھانے اور ظالم کے قصور معاف کرنے کی کیسی فضیلت ہے کہ آدمی خدائتعالیٰ کا محبوب بنجاتا ہے۔ اب کہئیے کون مسلمان ایسا ہو گا جو اللہ تعالےٰ کا

محبوب بننا نہ چاہے مگر کمبخت نفس اس دولت عظمیٰ سے آدمی کو محروم کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی طینت میں تعلّی رکھی ہے جبتک بدلہ لیکر اپنی تعلّی ثابت نہیں کر دیتا اس کو تسکین نہیں ہوتی اور اگر بدلہ لینے کی قدرت نہ ہو گالیاں دینے اور لعنت کرنے لگتا ہے جس سے کسی قدر تسکین ہوتی ہے۔ غرضکہ مغلوبیت کی حالت میں بھی اپنی تعلّی کو نہیں چھوڑتا۔ مگر نفوس قدسیہ ایسے نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہیں ذاتی تعلّی ان سے جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ان کی توصیف میں فرماتا ہے۔

اذلۃ علی المومنین اب کیونکر تصدیق کی جائے کہ علی کرم اللہ وجہہ کا نفس بھی ایسا ہی تعلّی پسند اور خودسر تھا کہ لعنت کرنے ہی میں اسکو تسکین ہوتی تھی اور باوجودیکہ خدائتعالیٰ نے ترغیب دی ہے۔ کہ عفو کرنے والے محبوبِ خدا ہو جاتے ہیں مگر ان سے عفو کرنا نہ ہوسکا حق تعالیٰ فرماتا ہے خذ العفو یعنے عفو کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا حق کسی پر ثابت بھی ہو تو بغیر اس کے کہ اس کا بدلہ لیا جائے ساقط کر دو۔ چونکہ یہ امر خلاف مقتضائے نفس ہے اس لئے حکم ہوا کہ اس صفت کو حاصل کرو۔ اگرچہ بظاہر یہ حکم خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ مگر قرآن شریف میں کئی جگہ

خطاب خاص اور مراد عام ہوتی ہے۔ جیسے ولاتقل لہما اف میں ہے
اس لحاظ سے ہر امتی بحسب مناسبت اس کا مامور ہوگا۔ ادنیٰ درجہ کے
لوگوں کے لئے یہ امر استحبابی ہوگا کیونکہ عفو ہر کسی سے ہونا مشکل ہے
اگر وہ فرض ہو جاتا تو تقریباً تکلیف مالایطاق ہوتی بخلاف نفوس قدسیہ کے
کہ وہ ہر امر الٰہی کے امتثال کو ضروری سمجھتے ہیں۔ خصوصاً ان امور میں
جو نفس پر زیادہ شاق ہوں۔ کیونکہ ان حضرات کو تو ہر طرح نفس کشی
مقصود ہوتی ہے۔ اس میں سوائے خوارج کے کوئی شک نہیں کر سکتا
کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نفس مبارک قدسی تھا اسلئے ہم یقیناً
کہہ سکتے ہیں کہ آپنے اپنے مخالفین کے قصور کو ضرور معاف
کر دیا تھا۔ اور ہرگز آپ کے نفس کے شایان نہ تھا کہ ان پر لعنت
کر کے تسکین حاصل کرے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان تعفوا اقرب
للتقویٰ۔ یعنے عفو کرنا تقوے سے قریب تر ہے۔ اب کیا کوئی
کہہ سکتا ہے۔ کہ علی کرم اللہ وجہہ معاذ اللہ متقی نہ تھے پھر یہ
کیونکر خیال کیا جائے کہ آپ میں یہ صفت نہ تھی یا تھی تو چھوٹے چھوٹے
قصور معاف کیا کرتے تھے۔ اور بڑے قصوروں کا معاف کرنا
آپ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ حالانکہ کمال اس میں ہے کہ بڑے قصور
معاف کئے جائیں۔ ورنہ چھوٹے چھوٹے قصور تو ہم لوگ بھی معاف

کر دیا کرتے ہیں غرضکہ ان قرائن کو دیکھنے کے بعد ہرگز یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنے مخالفوں کے قصور معاف نہیں کیئے تھے دیکھیے آپکا ارشاد ہے بغوا علینا اخوا ننا۔ کیا پیار کا کلمہ ہے جس سے محبت اور دلسوزی ٹپک رہی ہے۔ کس پیار سے آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی۔ قربان اس شیریں کلامی کے کہ جانی دشمنوں کو بھی یاد کیا تو بھائی کہہ کر اور کس موقع میں کہ ان کی بغاوت کا بیان کرنا مقصود تھا۔ عام طبیعتوں کا مذاق گواہی دیتا ہے کہ اس موقع میں بغوا علینا الاشقیاء فرماتے ۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ آپ اس ملک کے تھے جہاں برادر حقیقی دشمن تحقیقی کہا جاتا ہے بلکہ وہاں بھائی اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں اخوت قائم کی تاکہ سب عزیزوں سے زیادہ انہیں باہمی محبت پیدا ہو۔ چنانچہ انہوں نے عملی طور پر اس اخوت کا یہ ثبوت دیا کہ اپنے مال میں ان کو شریک کیا اور اپنی بیبیوں کو طلاق دیکر ان کے نکاح میں دینے پر آمادہ ہو گئے اسوقت بھائی اس عزت اور محبت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے کہ انپر اپنی جان قربان کرتے ۔ اور حق تعالے نے جہاں صحابہ کی باہمی محبت کا

ذکر فرمایا اس کو اس پیرایہ میں فرمایا۔ واذکروا نعمت اللہ اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا یعنے اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم میں اس کے فضل سے باہمی ایسی محبت ہو گئی کہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے۔ اب غور کیجئے کہ جب آپ کے دل میں مخالفین کی اس قدر محبت تھی تو کیونکر ہو سکتا تھا کہ عوام الناس کی طرح یغوا علینا الاشقیاء فرماتے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ یعنے جس نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم ہوئی کہ آپ یہ فرماویں۔ ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ۔ یعنے میں تمہاری ہدایت میں جو اس قدر کوشش کرتا ہوں اس کا اجر تم سے کچھ نہیں مانگتا میرا اجر اللہ ہی پر ہے۔ غور کیجئے کہ جو اجر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ کس قدر قابل قدر ہو گا۔ پھر جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجر حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اسی طرح عفو کرنے والوں کا بھی اپنے ذمہ لیا ہے۔ اب کہئے کہ علی کرم اللہ وجہہ

کی نسبت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ ایسا اجرعظیم سے دست بردار ہو گئے ہوں گے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اجرعظیم کے مستحق ہیں جس کا وعدہ حق تعالے نے آپ سے فرمایا۔ علی کرم اللہ وجہہ بھی عفو کرکے اس اجرعظیم کے ضرور طالب اور مستحق ہوں گے اور یہ ممکن نہیں کہ عفو کرنیکے بعد بھی آپنے لعنت کی ہو اس لئے کہ جب کسی کا قصور معاف کر دیا جاتا ہے تو اس پر بددعا کرنے کا کوئی حق نہیں اسلئے کہ بددعا میں یہی ہوتا ہے کہ ہم اپنا حق ظالم سے نہیں لے سکے اسلئے خدا اسکا معاوضہ اس سے لے پھر جب اپنا حق ہی معاف کر دیا تو خدا کو اسکا معاوضہ لینیکی کیا ضرورت

احیاء العلوم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے ظالم کے حق میں بددعا کی اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ آپنے مخالفین کے حق میں لعنت اور بددعا کی تو بدلہ لینا ثابت ہو جاتا ہے اور اس سے لازم آئیگا کہ آپ عفو قصور کے فضائل حاصل نہ کر سکے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لایحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم و کان اللہ سمیعاً بصیرا ان تبدوا خیرا

او تخفوہ او تعفوا عن سوء فان اللہ عفوا قدیراً ۵ یعنی خدا تعالیٰ پسند
نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو برا کہے۔ مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سمیع علیم ہے
اگر تم لوگ نیکی ظاہر کر دو یا چھپا کر یا کوئی تم میں سے برائی کرے تو تم اسکو
معاف کر دو تو یہ اچھا ہے اس لئے کہ اللہ عفو یعنی معاف کرنیوالا
اور قادر ہے۔ اس آیہ شریفہ میں اگرچہ مظلوم کو اجازت دی گئی
کہ ظالم کو برا بھلا کہے۔ مگر ساتھ ہی معاف کرنے کی فضیلت بیان
کی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ عفو ہماری صفت ہے
اب غور کیجئے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے مخالفوں پر لعنت کی ہو گی
یا اس لحاظ سے کہ عفو خدا تعالیٰ کی صفت ہے جس کی ترغیب
اس آیہ شریفہ میں دی گئی۔ معاف فرمایا ہو گا۔ ہم تو یہی
سمجھتے ہیں کہ آپ ان حضرات کے امام ہیں جو متخلق باخلاق اللہ ہیں
یعنی اولیاء اللہ اس لئے ضرور اس صفت کے ساتھ متصف تھے
اور رخصت پر عمل کر کے اس فضیلت کو ترک کر دینا ہماری
سمجھ میں نہیں آتا۔ عفو کرنے کے باب میں جو احادیث وارد ہیں
وہ بکثرت ہیں چند روایتیں انہیں سے یہاں کنز العمال سے
نقل کی جاتی ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عفو کرنے سے آدمی کی

عزت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے تم عفو کیا کرو کہ خدا تعالیٰ تمہیں عزت دیگا۔

اور فرمایا کہ شب معراج میں نے جنت میں کئی محل ایسے دیکھے کہ مستوی اور دوسرے محلوں سے بلند ہیں میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کن کے ہیں۔ کہا جو لوگ غصہ کو دور کرتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں ان کے لئے ہیں۔

اور فرمایا جس کو منظور ہو کہ جنت میں اس کے مکان اور درجات قیامت کے روز بلند ہوں تو چاہیئے کہ جس نے ان پر ظلم کیا ہو اس کا قصور معاف کرے اور جس نے اسے محروم کیا ہو اس کو عطا کرے اور جس نے قطع رحمی کی اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے اور جو جہالت سے پیش آئے اس کے ساتھ حلم کرے۔

ان روایتوں سے ثابت ہے کہ عفو اعلیٰ درجہ کا خلق ہے اور معلوم ہے کہ اخلاق حسنہ اور رفعت درجات اخروی میں تلازم ہے۔ جب ہمیں یقین ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ صحابہ میں بڑے درجے کے صحابی ہیں۔ تو ہمیں یقین کرنا چاہیئے کہ عفو کی صفت بھی آپ میں اوروں سے بڑھی ہوئی ہوگی۔

کلینی صفحہ ۲۰۱۲ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

عین خطبہ میں فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں بہترین خلائق وہ ہے کہ ظالم کا قصور معاف کردے اور قاطع رحم سے صلہ رحمی کرے۔ اور برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کرے اور جس نے اسے محروم کیا ہو اُسے عطا کرے اور اسی میں ابو عبداللہ علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے کہ مکارم دنیا و آخرت سے یہ ہے کہ ظالم کا قصور معاف کرے انتہیٰ۔

ان کے سوا اور کئی روایتیں اس میں مذکور ہیں غرضکہ فریقین کی کتابیں فضیلت عفو کی حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں پھر کیا یہ ہو سکتا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ جیسے جامع مکارم اخلاق اس خلق حسن کے ساتھ متصف نہ ہوں۔ اب اگر فرض کیا جائے کہ آپنے ان کو عفو تو کردیا تھا۔ مگر لعنت بھی کی تو یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ لعنت ایک سخت بددعا ہے کہ خدا تعالےٰ ملعون کو اپنی رحمت سے دنیا آخرت میں دور کردیوے اور ابھی معلوم ہوا کہ جس نے اپنے ظالم کے حق میں بددعا کی۔ اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔ پھر جب لعنت کرکے بدلہ لینا ثابت ہو جائے تو اس بدگمانی کی ضرورت ہوتی ہے کہ آپنے معاذاللہ قرآن پر عمل کیا نہ احادیث صحیحہ پر۔ حالانکہ آپ سے کم درجے کے لوگ اس صفت میں ممتاز تھے۔ چنانچہ احیاء میں

ابراہیم تیمیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب مجھ پر کوئی ظلم کرتا ہے تو بجائے اس کے کہ مجھے اس پر غصہ آوے رحم آتا ہے اس خیال سے کہ ظلم کے بعد اس کے دل میں ضرور تشویش ہوئی ہوگی اور خدا تعالیٰ جب قیامت کے دن اس سے سوال کریگا تو وہ کیا جواب دیگا اس سے ثابت ہے کہ بجائے لعنت یہ حضرات بمقتضائے رحم ظالم کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ کیونکہ لعنت مقتضائے غضب ہے اور رحم کا مقتضا دعائے خیر ہے اب کہئے کہ جب اولیاء اللہ جو علی کرم اللہ وجہہ کے زلہ ربا ہیں ان میں یہ صفت ہو تو آپ میں کیونکر نہ ہوگی غرضکہ یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ آپ نے مخالفین پر لعنت کی ہو۔

اب اگر لعنت کی روایتیں صحیح مان لی جائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا۔ جو بادی النظر میں سمجھا جاتا ہے۔ اب یہ کہنا پڑیگا۔ کہ اس سے مراد لعنت دنیوی ہے جس کے عرب قائل تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب بادشاہ کے دربار میں جاتے تو بطور تحیت ابیت اللعنۃ کہتے یعنے اے بادشاہ تو نے اس بات سے انکار کر دیا کہ کسی کو اپنے خیر سے ہانک دے کیونکہ لعنت کے معنی لسان العرب وغیرہ میں یہ لکھے ہیں کہ ھو الابعاد والطرد

من الخبر۔ اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ لعنت دو قسم پر ہے۔ دنیوی اور اخروی چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لُعنوا فی الدنیا والاخرۃ یعنی دنیا میں بھی وہ لعنت کیے گئے اور آخرت میں بھی۔ اگر لعنت مطلقاً طرد عن الرحمۃ کا نام ہوتا تو اس آیۂ شریفہ میں فی الدنیا کا ذکر نہ ہوتا۔ دنیا کی لعنت سے مراد دنیوی شقاوت ہے کہ آدمی اپنی مرادات میں کامیاب نہ ہو اور مفلوک رہے اور آخرت کی لعنت عذاب ہے جب علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ مخالفین اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں تو دعا کی کہ الٰہ العالمین ان کو کامیابی اور سلطنت اور خیر دنیوی سے دور کردے۔ تاکہ خلافت حقہ کو صدمہ نہ پہنچا سکیں۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کے حق میں لعنت دنیوی ہی تھی۔ کہ سلطنت نہ ملے۔ اور اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو مخالفین کے حق میں یہ دعائے خیر تھی کہ بغاوت کے گناہ سے محفوظ رہیں اور قیامت کے روز اپنے ہمچشموں میں شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ اہل ایمان جانتے ہیں کہ مسلمان کے حق میں دنیا کی شقاوت آخرت کی سعادت کا باعث ہے اسی وجہ سے اولیاء اللہ سعادت دنیوی اور ہر کام میں فائز المرام ہونے کو

برا سمجھتے ہیں۔ غرضکہ علی کرم اللہ وجہہ نے لعنت کے ضمن میں اخوت کا
پورا حق ادا فرمایا جسکو اہل بصیرت بخوبی جانتے ہیں۔ اور لغو اعلینا
اخوانناسے جو اظہار محبت کیا تھا اس لعنت میں بھی وہی ملحوظ رکھا۔
کیوں نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت بھی تو آخرت میں
رحمت اور باعث تقرب الٰہی تھی۔ اگر علی کرم اللہ وجہہ نے بھی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہو تو کوئی تعجب کی بات
نہیں۔ کیونکہ آپ ہر بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
پورے پیرو اور قدم بقدم متبع تھے۔ اگر ہم بدگمانی سے کہیں۔
کہ اس باب میں آپنے اتباع نہیں کیا تو خوف ہے کہ بمصداق
ان بعض الظن اثم گناہگار ہو جائیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے روبرو شرمساری اٹھانی پڑیگی۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر۔ یہاں انہیں حضرات کی شان میں وارد ہے۔
ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۶۷۸) میں ہے کہ جب ابن ملجم کو
گرفتار کر کے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے روبرو حاضر کیا گیا
اور شور گریہ وزاری بلند ہوا تو اپنی آنکھیں کھول کر دیکھا حضرت
امام حسین علیہ السلام نے عرض کی کہ دشمن خدا و رسول گرفتار کر کے
لایا گیا ہے۔ آپنے انکو مخاطب کر کے فرمایا۔ یا ہذا یعنی اے شخص

تو نے یہ بڑا کام کیا۔ کیا میں تیرے حق میں برا امام تھا؟ جس کا بدلہ تو نے یہ کیا۔ کیا میں تجھ پر مہربان نہ تھا؟ تیرے ساتھ میں اوروں سے زیادہ احسان کیا کرتا۔ اور انعام دیا کرتا تھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ تو میرا قاتل ہے ابن ملجم نے رو کر جواب دیا اے امیر المومنین کیا آپ سے ہو سکتا ہے کہ جہنمی کو جنتی بنادیں۔ آپ نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا اے لڑکے اس قیدی کے ساتھ نرمی اور رحم اور شفقت کرنا کیا نہیں دیکھتے ہو مارے خوف کے اس کی آنکھیں اندر گھس گئی ہیں۔ اور دل اڑ رہا ہے۔ امام حسنؑ نے عرض کی کہ اس لعین نے آپ کو قتل کیا اور ہمارے دلوں کو دکھایا۔ اس پر آپ نرمی کرنے کو فرماتے ہیں۔ فرمایا۔ یا بنيّ نحن اهل بيت الرحمة والمغفرة لانزداد على المذنب الينا الا عفوا وكرما

یعنی ہم اس گھرانے کے لوگ ہیں جن کی طبیعت میں رحم اور مغفرت ہے۔ اگر کوئی ہم پر ظلم کرے تو ہم ان کو از راہِ کرم معاف کر دیتے ہیں انتہیٰ۔

اور نہج البلاغۃ صفحہ (۱۳) میں ہے کہ انتقال کے قریب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے قاتل ابن ملجم کے بارے میں یہ وصیت کی

انا بالامس صاحبكم واليوم عبرة لكم وغدا مفارقكم

ان ابق فانا ولی دمی ان افن فالفناء میعادی وان اعف فالعفو لی

قربۃ وھو لکم حسنۃ فاعفوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم

یعنی کل میں تمہارا صاحب اور رفیق تھا اور آج تمہارے لئے عبرت ہوں اور کل تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ اگر میں زندہ رہوں تو اپنے خون کا آپ مالک ہوں اور اگر مر جاؤں تو فنا۔ ایک مقررہ بات ہے۔ اگر اپنا خون معاف کر دوں تو وہ میرے لئے تقرب الٰہی اور تمہارے لئے حسنہ ہے۔ اس لئے تم معاف کر دو کیا تم اس بات کو دوست نہیں رکھتے کہ خدا تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے انتہیٰ۔

دیکھئے آپ نے اپنے قاتل کو بھی ملعون نہیں کہا۔ بلکہ یا ابذا کر کے خطاب فرمایا۔ اگر یا ملعون فرماتے تو خلاف واقع نہ ہوتا پھر اپنے خاندان کا خاصہ بیان فرمایا کہ کوئی ہم پر کیسا ہی ظلم کرے ہم سکو معاف کر دیا کرتے ہیں۔ اور صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ اسپر کرم بھی کرتے ہیں۔ لسان العرب میں کرم کے معنی کثرت خیر و جود و عطا لکھا ہے۔ اب غور کیجئے کہ قاتل پر جب یہ لطف و کرم ہو تو معاویہؓ وغیرہ مخالفین کو تو آپ نے اپنا بھائی فرمایا۔ کیا ممکن ہے کہ صرف ایک ہی سال کی اذیت رسانی سے ان کے اسقدر بدخواہ ہو گئے

ہوں گے۔ کہ ان کے حق میں ایسی بد دعا کی کہ قیامت میں
بھی رحمت الٰہی سے دور ہو جاویں۔ ہمارا تو حسن ظن بلکہ یقین
یہی ہے کہ اگر آپنے لعنت بھی کی تو اس میں بھی اپنے خاندانی
رحم اور مغفرت کو ملحوظ رکھا اور یہی دعا کی کہ الٰہی ہمارے بھائیوںکو
قیامت کے روز ان کے ہمجنسوں میں ذلیل و خوار نہ کیجو صرف
اتنا کر کے مجاہدہ نفس میں تائید دے۔ جس خود بخود ان کی نفس کشی
ہو جاے اور ناکامی کی حسرت کا ثواب پاویں۔ اگر باوجود ایسے
قرائن واضحہ کے ہم ایسے اکرم الناس سے حسن ظن نہ کریں تو
پھر حسن ظن کا موقع ہی ہمیں کہاں ملیگا۔ ہمیشہ بدگمانی کے جنجال میں
پڑے رہیں گے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان
بعض الظن اثم یعنے بعضے گمان گناہ ہیں۔ وما توفیقنا الا باللہ

ابوبکر کا اعتراف قصور اور معافی

کہ ان کے حق لینے کے معاوضہ میں گالیاں دیں۔ پھر یہ بھی
معلوم ہے کہ اگر حق خلافت آپ کو تھا بھی تو آپنے ترک کر دیا تھا
چنانچہ آپ کا بیعت کرنا اس پر دلیل واضح ہے جو باتفاق
فریقین ثابت ہے۔ اور اس کے سوا آپنے کھلے الفاظ میں فرمادیا
کہ اگر ان سے بے احتیاطی ہوئی بھی تو ہم نے معاف کر دیا
چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ (۲۱۸) میں آپ کا قول لکھا ہے کہ

ثم استخلف الناس ابابکر ثم استخلف ابوبکر عمر
واحسن السیرۃ وعدل فی الامۃ وقد وجدنا علیھما
ان تولا الامر دوننا ونحن آل الرسول واحق
بالامر فغفرنا ذلک لھما۔

یعنے لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ مقرر کیا اور ابوبکر نے عمر کو اور دونوں نے عمدہ خصلتیں اختیار کیں اور امت میں عدل کیا۔ اگرچہ ہم کو ان پر غصہ آیا کہ باوجود ہم آل رسول اور مستحق موجود ہونے کے وہ متولی خلافت ہو گئے مگر ہم نے ان دونوں کی زیادتی کو معاف کردیا۔ انتہیٰ۔

اب کہیئے کہ معاف کئے ہوئے حق کا مواخذہ کس طرح جائز ہوگا۔ قطع نظر اس کے حق تعالیٰ قرآن شریف میں مہاجرین وانصار کا ذکر کرکے فرماتا ہے۔ والذین جاؤ
من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا
الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا
غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

یعنے مہاجرین وانصار کے بعد جو لوگ آئے اُنھوں نے کہا کہ اے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کو

بھی بخش دے جو پہلے گذرے اور جو لوگ ایمان لائے انکی طرف سے ہمارے دل میں کینہ مت رکھ اے رب! تو رؤف و رحیم ہے انتہیٰ۔

دیکھئے کہ مسلمانوں کی تو یہ حالت ہے کہ دعائیں کرتے ہیں کہ ہمارے دل میں مہاجرین کا کینہ نہ آنے پائے اور ان کی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ صحابہ کو خیر سے یاد کرنا چاہیئے اور خود علی کرم اللہ وجہہ بھی یہی تعلیم فرماتے ہیں تو اب یہ کیونکر باور ہو سکتا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ ان نصوص کی مخالفت کر کے صحابہ کبار کو گالیاں دیتے ہوں گے جو لوگ کسی ملت و مذہب میں کوئی نئی بات ایجاد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے جمیع پہلو اور جوانب پر نظر ڈال لینے کے بعد ایسے امور کے ایجاد کی انہیں ضرورت ہوتی ہے جن کا اس مذہب و ملت میں اصل ہی نہ ہو با وجود اس کے ان کو مہتم بالشان بنا دیتے ہیں اس نظیر سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ توراۃ میں یہ بات تھی کہ جو شخص سولی پر چڑھا یا جائے وہ ملعون ہے۔ یہود چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن تھے۔ اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ اگر ان کو کسی طرح سولی پر چڑھا دیں۔ تو ان کا دعوئے نبوت خود باطل ہو جاتا ہے

عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آزادانہ جنگلوں میں زندگی بسر کرتے تھے ان کو گرفتار کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ آخر حواریین میں سے ایک شخص کو بمشکل اس کام پر آمادہ کیا چنانچہ اس نے آپ کو گرفتار کرایا اور انہوں نے آپ کو فوراً سولی پر چڑھانا چاہا مگر منجانب اللہ آپ تو آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور ایک شخص جو آپ کے مشابہ تھا اسکو انہوں نے سولی پر چڑھایا جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے حواریین کو اس گڑبڑ میں خبر نہیں ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے اور دیکھا کہ ایک شخص سولی پر چڑھایا گیا ہے اور مشابہت کی وجہہ سے وہ امتیاز نہ کر سکے۔ اس وجہہ سے ان کو مجبوراً ماننا پڑا کہ عیسیٰؑ سولی پر چڑھائے گئے۔

اب مشکل یہ ہوئی کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام بحسب توریت ملعون سمجھے جائیں جس کی وجہہ سے آپ کا نبی ہونا باطل ہوا جاتا ہے۔ اس کا جواب انہوں نے یہ تجویز کیا کہ بیشک عیسیٰ علیہ السلام ملعون تو ہوئے مگر اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ذمہ لعنت لیکر سب کی طرف سے کفارہ ہو گئے۔ اور سب کے گناہ بخشوانے کے لئے دوزخ میں گئے اور اس مسئلہ کفارہ پر اس قدر زور دیا کہ اس کو ایک دینی مسئلہ بنا کر چھوڑا۔ اسیطرح ابن سبا نے دیکھا

کہ سب نئے مسائل تو چل جائیں گے۔ مگر الوہیت کا مسئلہ چلنا دشوار ہے اس لئے کہ علی کرم اللہ وجہہ پرلے درجہ کے عابد ہیں۔ اور خدا کو عبادت کرنے سے کیا تعلق۔ اس کی تدبیر یہ سوچی کہ پہلے انکے قول و فعل بے اعتبار ثابت کر دئے جائیں۔ چنانچہ اسی غرض سے تقیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور یہ ذہن نشین کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے خدا ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ اور دکھلانے کے لئے عبادت کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے ذہنوں میں وصی اور خلیفہ ہونا ثابت کیا تھا ان سے کہا کہ ان کا خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور ان کی رفاقت دینی اور اتحاد ظاہر کرنا سب تقیہ کی راہ سے تھا۔ جتنے قول اور فعل ان کے اس باب میں وارد ہیں کوئی اعتبار کے قابل نہیں اور اس مسئلہ پر اتنا زور دیا کہ ضروریات دین میں داخل کر دیا اور وہ مسئلہ اسقدر مستحکم اور راسخ ہوا کہ ہر چند آپ نے دلائل قائم کئے اور پیشانی اور ناک زمین پر رگڑ رگڑ کر اپنی عبودیت کا ثبوت دیا مگر کسی نے نہ مانا اور صاف کہدیا کہ آپ کے قول اعتبار کے قابل ہیں نہ فعل۔ اسی طرح خلافت مستقلہ جن لوگوں کے ذہن نشین کی انہوں نے آپ کے ان اقوال کو قابل اعتبار نہ سمجھا جن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اوران کے ہاتھ پر آپ کا خوشی سے بیعت کرنا ثابت ہوتا ہے
اور ترک مخالفت ظاہری کو تقیہ پر محمول کیا۔

اصل تقیہ کا اثبات اس آیۂ شریفہ سے ہوتا ہے۔ لا یتخذ

المومنون الکافرین اولیآء من دون المومنین ومن یفعل ذٰلک فلیس

من اللہ فی شئ الا ان تتقوا منہم تقٰۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر۔
یعنے مسلمانوں کو نہ چاہیئے کہ سوائے مسلمانوں کے کافروں کو
اپنا دوست بنالیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس سے اور اللہ سے
کوئی سروکار نہیں۔ مگر اس تدبیر سے کسی طرح ان کے شر سے
بچنا ہو تو مضائقہ نہیں اور اللہ اپنے جلال سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی
کے طرف آخرکار جانا ہے انتہیٰ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو دوست نہ رکھ کر کافروں کو
دوست بنالیگا۔ وہ کافر ہی سمجھا جائیگا۔ اس لئے کہ جب مسلمانوں سے
دینی اخوت ہوگئی تو اس کا لازمہ محبت باہمی ہوگا پھر ان سے
محبت نہ رکھ کر کافروں سے محبت رکھنا بغیر اس کے نہیں کہ
کفر کی طرف میلان ہو۔

اس لئے ضروری ارشاد ہے کہ جو ایسا کریگا اس کو دین سے
کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر کسی قسم کا ان سے خوف ہو تو ظاہراً محبت

رکھہ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ دل میں خوف خدا لگا رہے۔ اس سے
یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں سے دل میں دشمنی رکھکر
محبت ظاہر کی جائے۔ بلکہ دوسری آیتوں سے ثابت ہے
کہ صحابہ میں باہمی محبت تھی۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔
رحماء بینھم یعنے مسلمان ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں
جس کا نتیجہ اور منشا محبت ہے۔ اور ارشاد قولہ تعالیٰ فاصبحتم
بنعمتہ اخوانا یعنے خداتعالیٰ کی نعمت اور فضل کی وجہ سے جن
قبیلوں اور افراد میں مخالفتیں تھیں وہ دفع ہو کر سب آپس میں
بھائی بھائی ہو گئے۔ اس کا ثبوت ناسخ التواریخ وغیرہ سے
باسانی ملسکتا ہے۔ کہ صحابہ ایک دوسرے پر کیسی جاں نثاریاں
کرتے تھے۔ جتنے جنگ کفار کے ساتھ ہوئے انکے دیکھنے سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنفس واحدۃ تھے۔ خالد ابن ولید رض
جیسے جوانمرد و نازک مزاج شخص جب معزول کئے گئے اور ابو عبیدہ رض
کی ماتحتی میں کام کرنے کا حکم ان کو عمر رض نے دیا تو انہیں ذرا بھی اسکا
خیال وملال نہ ہوا کہ اب تک جن کے افسر تھے۔ ان کے محکوم
بن رہے ہیں اور وہی جانفشانیاں کیں جو پیشتر کرتے تھے۔
اگر دلوں میں عداوت ہوتی تو کبھی اتنے تھوڑے لوگ بڑی بڑی

نامی گرامی سلطنتوں کو تھوڑی سی مدت میں فتح نہ کر سکتے۔ اب غور کیجئے
کہ علی کرم اللہ وجہہ جیسے اعلیٰ درجہ کے صحابی نے مسلمانوں کیساتھ
اس تقیہ کی بنیاد ڈالی جو کافروں کے ساتھ کرنا چاہئے اگر کہا جائے
کہ آپ صحابہ کو کافر سمجھتے تھے تو یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ ابھی ثابت
ہوا کہ آپ سب صحابہ کو اعلیٰ درجہ کے مسلمان سمجھتے تھے۔ پھر مسلمانوں
کیساتھ دل میں بغض اور کینہ رکھ کر ظاہر امداہنت کرنا شان مرتضوی کے
مناسب کیونکر ہو سکتا ہے۔

اور اس آیۂ شریفہ سے بھی جواز تقیہ پر استدلال ہوتا ہے۔

قولہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان

ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ

ولھم عذاب عظیم یعنے جو لوگ ایمان لانے کے بعد
دل سے کافر ہوتے ہیں تو ان پر خدا کا غضب ہے اور انکے لئے
بڑا عذاب ہے۔ اور کسی پر اکراہ اور زبردستی کی گئی اور اس نے
زبان سے کلمہ کفر کہدیا۔ لیکن دل کی کیفیت ایمانی میں تغیر نہ آیا ہو
تو اس کا مضائقہ نہیں۔ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں لکھا ہے کہ عمار ابن یاسر کو
کفار نے سخت عذاب کیا اور پانی میں ان کو غوطے دئے۔ کہ یا تسمیہ کو
پھر جائیں۔ اس وقت انہوں نے جان بچانے کے لئے کوئی

کلمہ کفر کہدیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی شکایت کی
آپ نے پوچھا اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت تھی۔ کہا
اطمینان تھا۔ فرمایا اگر آیندہ بھی ایسا موقع ہو جاسے تو کہدینا اور اسی پر
یہ آیۃ شریفہ نازل ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ جان بچانیکی
ضرورت سے تقیہ کیا جاسے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ناسخ التواریخ میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جہاں کوئی روایت انہوں
نے ایسی نقل کی جس سے علی کرم اللہ وجہہ سے خلفائے ثلاثہ کی تعریف
یا ان کی خلافت کا اعتراف ثابت ہوتا ہو تو لکھدیتے ہیں کہ یہ بطور تقیہ تھا
اور یہ روایت بھی اس میں نقل کی ہے کہ لا دین لمن لا تقیۃ لہ
یعنے جس نے تقیہ نہ کیا وہ دیندار نہیں۔ اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جاے
کہ دیندار کو بات بات میں تقیہ کی ضرورت ہے تو لازم آئے گا
کہ کوئی دیندار راستباز نہ ہوسکے۔ حالانکہ قران وحدیث سے ثابت ہے
کہ مسلمان کو صادق اور راستباز ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ صادقین
کی تعریف اکثر مقامات میں قران شریف میں مذکور ہے
اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جان بچانے کے واسطے تقیہ کا
مضائقہ نہیں جس طرح قران شریف سے ثابت ہے تو علی
کرم اللہ وجہہ کا ان امور میں تقیہ کرنا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے

کہ ناسخ التواریخ سے یہ روایت ابھی نقل کی گئی کہ آپ نے خطبہ میں
قسم کھا کر فرمایا کہ میں حکومت کو مکروہ سمجھتا تھا۔ اس لئے
کہ خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی
میرے بعد والی بنایا جائیگا۔ قیامت کے روز پلصراط پر کھڑا کیا
جائیگا۔ پھر اگر وہ عادل ثابت نہ ہوگا تو دوزخ میں گرا دیا جائے گا
دیکھئے یہ آپ اس وقت فرما رہے ہیں کہ تمام مسلمان آپ کے
ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اور کوئی مخالف نہ تھا اور نہ کسی کی مخالفت کا
خیال تھا۔ اس لئے کہ یہ خطبہ خلافت کے دوسرے روز
آپ نے پڑھا جیسا کہ ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۲۰) میں مصرح ہے
اور نیز نہج البلاغۃ کی روایت بھی ابھی لکھی گئی کہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا
کہ مجھے خلافت اور حکومت کی بالکل خواہش نہ تھی۔ اب غور کیجئے
کہ جب کل مسلمانوں نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا تو اب کس کا خوف تھا
جس کی وجہ سے تقیہ کرنے کی ضرورت ہو۔ غرضکہ اس سے بداہۃً
ثابت ہے کہ آپ نے قسم کھا کر مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا کہ بحسب حدیث شریف
قیامت کے خوف سے آپ نے خلافت کا کبھی ارادہ کیا نہ خواہش
اور خلفائے ثلثہ کو مسلمانوں نے جو خلیفہ بنایا تھا۔ اس کو آپ
غنیمت سمجھتے تھے کیونکہ اگر اسوقت بھی لوگ اگر آپ ہی کو مجبور کرتے تو

بمجبوری آپ کو ان کا قول ماننا پڑتا۔ جیسا کہ اس وقت مجبور ہو کر آپنے مان لیا۔ جو آپ کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ ولکنی لما اجتمعت رایکم لو یسعنی ترکہ اب اس کے بعد وہ روایتیں جنسے آپکا خلفاے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور ہمیشہ ان کی تائید میں رہنا۔ جنکو حضرات شیعہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ثابت ہوں گی۔

ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۶۳) میں لکھا ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے طلحہ اور زبیر کے نام ایک خط لکھا جسمیں یہ مضمون بھی تھا۔ پس اگر شما از طوع ورغبت با من بیعت کردید بیفرمائی تکنید و بتوبت و انابت گرائید اگر از رہ کراہت بودید این خود حجتے است بر شما که کار بہ نفاق اوردید در ظاہر اطاعت کردید و در باطن بمعصیت ورزیدید دیکھئے بیعت تقیہ کو نفاق میں داخل فرمایا جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار یعنے منافق دوزخ کے نیچے کے طبقہ میں رہیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے جس بیعت کو بیعت منافقانہ نام رکھا وہ بیعت ہرگز نہیں کی تھی۔ اور جتنی روایتیں اس باب میں اس قسم کی بیعت کی بیان کی جاتی ہیں۔ سب ابن سبا کی بنائی ہوئی ہیں۔

ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۱۷۴) میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے

آپ پر عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا الزام لگایا تو آپ نے اس سے انکار فرمایا۔ مگر یہ انکار تقیہ کی راہ سے تھا۔ ورنہ آپ ان کو واجب القتل جانتے تھے۔ یہ علامہ مصنف کی مجرد رائے ہے۔ ہم ہرگز اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ابھی معلوم ہوا کہ بیس (۲۰۰۰۰) ہزار شخص امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر میں ایسے موجود تھے جو آپنے آپکو قاتل عثمانؓ کہتے تھے۔ اتنا لشکر کثیر ہمخیال ہونے کے بعد آپکو تقیہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ تقیہ صرف جان بچانیکے لئے مقرر ہوا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایسے شخص نہ تھے کہ کسی کے خوف سے کوئی جھوٹ بات کہدیتے۔ معاویہؓ کے مقابلہ میں تنہا بہ نفس نفیس جو داد شجاعت آپنے دی صفحۂ ہستی پر یادگار ہے۔ پھر جب بیس ہزار فوج کی کمک بھی ہو تو کہئے کہ اب آپکو کون شہید کر سکتا تھا۔ اور اگر جان بچانے کا خیال تھا تو جنگ صفین وغیرہ کی نوبت ہی کیوں آئی۔ غرضکہ قرائن عقلیہ و نقلیہ سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ علی کرم اللہ وجہہ نے جان کے خوف سے کبھی تقیہ کیا ہو کیونکہ تقیہ در اصل کذب کا نام ہے جس کی اجازت اشد ضرورت کے وقت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت صادق شخص تھے کیوں نہ ہو کل صحابہ کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی بات کہتے سچی کہتے

چنانچہ نہج البلاغۃ صفحہ (۱۵۴) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے جو صحابہ کی تعریف میں آپنے فرمایا ھم کنوز الرحمن اذا نطقوا صدقوا یعنے صحابہ رحمن کے خزانے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ جب بات کرتے ہیں تو سچ کہتے ہیں۔ اور نہج البلاغۃ صفحہ (۹۰) میں منقول ہے کہ کسی نے آپسے ایمان کا حال پوچھا۔ فرمایا کہ اس کے چار دعائم اور ستون ہیں صبر۔ یقین۔ عدل۔ اور جہاد۔ پھر جہاد کے حال میں فرمایا کہ اس کے چار شعبہ ہیں۔ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ والصدق فی المواطن یعنے معرکہ جنگ وغیرہ میں سچی بات کہنی۔ وشنأن الفاسقین یعنے فاسقوں سے دشمنی۔ دیکھئے باوجودیکہ جنگ کے موقعہ میں خدعہ درست ہے۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ اس موقعہ میں بھی صدق کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ایمان کا رکن قرار دیا اب غور کیجئے کہ تقیہ جو خلاف واقع ظاہر کرنے کا نام ہے اس پر صدق کیونکر صادق آئیگا۔ اس سے ثابت ہے کہ تقیہ آپکے نزدیک قریب قریب کفر کے ہے۔

اور نیز نہج البلاغۃ صفحہ (۹۳) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ قدر الرجل علی قدر ھمتہ وصدقہ علی قدر مروتہ یعنے آدمی کی قدر اس کی ہمت کے مقدار پر ہے اور اسکا صدق

قتال عرب کی پروا نہ

اس کی مروت یعنے انسانیت کے اندازہ پر۔ اب آپکی ہمت کا اندازہ کیجئے نہج البلاغۃ صفحہ (۵۴) میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔

واللہ لو تظاھرت العرب علی قتالی لما ولیت عنھا۔

یعنے خدا کی قسم اگر تمام عرب ایک دوسری کی مدد کرکے مجھ سے جنگ کرنا چاہیں۔ تو میں ہرگز ان سے منہ نہ موڑوں گا انتہیٰ۔ اب کہئے کہ جنکی یہ ہمت ہو ان کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ان کے قول وفعل میں کسی خوف کی وجہ سے صدق نہ تھا کس قدر آپکی بیقدری ہوگی۔

نہج البلاغۃ صفحہ (۲۱) میں لکھا ہے۔ ومن کلامہ علیہ السّلام

یعنی بہ الزبیر فی حال اقتضت ذلک یزعم انہ قد بایع بیدہ ولم یبایع بقلبہ فقد اقرّ بالبیعۃ وادعی الولیجۃ فلیات علیھا بامر یعرف والا فلیدخل فیما خرج منہ

یعنے زبیر کہتے ہیں کہ میں نے ہاتھ سے بیعت کی دل سے نہیں کی۔ انہوں نے بیعت کا اقرار تو کرلیا۔ اب یہی یہ بات کہ دل میں کچھ اور تھا تو چاہئے کہ اس پر کوئی ایسی دلیل پیش کریں جسکو سب قبول کرلیں ورنہ ضرور ہوگا کہ بیعت میں داخل ہوجائیں انتہیٰ۔

اور نیز نہج البلاغۃ صفحہ (۶۸) میں آپ کا خط نقل کیا ہے جو طلحہ

اور زبیر کے نام آپنے لکھا جس میں یہ عبارت منقول ہے۔

وان کنتما بایعتمانی کارھین فقد جعلتما علیکما السبیل باظھارکم الطاعۃ واسرارکم المعصیۃ ولعمری ماکنتما باحق المھاجرین بالتقیۃ والکتمان وان دفعکما ھذا الامر من قبل ان تدخلا فیہ کان اوسع علیکما من خروجکما منہ بعد اقرارکما بہ یعنے تم دونوں نے اگر کراہیت سے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو تم پر الزام قائم ہو گیا۔ اس لئے کہ طاعت کو ظاہر کر کے تم نے دل میں نافرمانی چھپا رکھی۔ اب تم کو تقیہ کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اگر پہلے ہی بیعت نہ کرتے تو گنجائش تھی اب بیعت کے بعد خارج ہونا نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے کہ تقیہ کی بیعت کو بھی آپنے بیعت ہی قرار دی جس سے خارج ہونا درست نہیں۔ پھر جو کہا جاتا ہے کہ آپنے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر تقیہ سے بیعت کی تھی۔ اس وجہ سے وہ قابل اعتبار نہیں کیونکر صحیح ہوگا؟ اس لئے کہ اس قسم کی بیعت کا خود آپنے اعتبار فرمایا ہے اگر اپنی بیعت کو قابل اعتبار نہ سمجھتے تو طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما انکو صاف جواب دیتے کہ آپنے بھی تو تقیہ کی بیعت کو قابل اعتبار نہیں سمجھا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مستدرک حاکم وغیرہ میں جو روایات ہیں

کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا آپ کو ملال نہ تھا صرف مشورے میں شریک نہ کرنے کا رنج تھا۔ سو یہی بات صحیح ہے اور جتنی روایتیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور باہمی اتحاد و اتفاق کے بارہ میں وارد ہیں سب صحیح اور سچی ہیں۔ اور جتنی روایتیں اس کے خلاف میں ہیں۔ خواہ الوہیت سے متعلق ہوں۔ یا رجعت سے یا خلافت متصلہ سے سب ابن سبا اور اسکے ساتھیوں کی بنائی ہوئی ہیں اور یہ بات کہ ابن سبا کے جیسے لوگوں نے احادیث و آثار بنا بنا کر لوگوں میں مشہور کئے کوئی قابل تعجب نہیں اس لئے کہ جب اسلام ترقی کرنے لگا اور دوسرے ملت و مذہب والوں کو ہر طرح مایوسی ہوئی تو اس فکر میں ہوئے کہ کچھ نہ ہو تو مسلمانوں کے عقائد تو ضرور خراب کردئے جائیں۔ عبد اللہ بن سبا جیسے خوش تقریر جادو بیان جنہیں اغوا اور گمراہ کرنے کا مادہ تھا۔ اور شیطنت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ اس میں لگ گئے اور ایک جماعت کو اس کام پر مامور کیا کہ مسلمانوں کے ہمخیال بنیں اور ان کے علوم حاصل کرکے ایسی ایسی حدیثیں بنائیں کہ مسلمانوں میں مخالفت قائم ہو جائے اور ان کے عقیدے فاسد ہو جائیں۔ چنانچہ بلاد اسلامیہ میں ہر طرف اس خیال کے لوگ پھیلے۔

اور بڑے بڑے مجمعوں میں حدثنا فلاں و فلاں کہکر اپنی بنائی ہوئی حدیثیں رواج دینے لگے۔ چنانچہ میزان الاعتدال صفحہ (۲۱) میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ جعفر بن محمد طیالسی نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بار احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی۔ دیکھا کہ نماز کے بعد ایک واعظ کھڑا ہوا اور حدیث بیان کرنے لگا جسکی اسناد یہ تھی۔ حدثنا احمد ابن حنبل

ویحیی بن معین قالا حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن قتادۃ عن انس

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام احمد اور یحیی بن معین ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور دونوں نے اشاروں سے آپس میں کہا کہ ہم نے یہ روایت نہیں کی جب وعظ ختم ہو گیا تو یحیی بن معین نے اس کو جا پکڑا اور کہا کہ یہ حدیث تجھ سے کس نے بیان کی۔ یحیی بن معین تو میں ہوں اور یہ احمد ابن حنبل ہیں اور ہمیں معلوم بھی نہیں کہ یہ حدیث ہے۔ اگر تجھے جھوٹ کہنا ہی تھا تو اور کسی غائب شخص کا نام لیتا۔ اس نے پوچھا کہ کیا تم یحیی بن معین ہو؟ کہا ہاں! کہا میں سنا کرتا تھا کہ ایک احمق شخص ہے جس کا نام یحیی بن معین ہے مگر مجھے یقین نہ تھا۔ اب اس کا یقین بھی ہو گیا۔ اے احمق! تو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں

کوئی احمد ابن حنبل اور یحیی بن معین تم دونوں کے سوا نہیں ستر
احمد ابن حنبل ان کے سوا ہیں جن سے میں نے روایتیں لی ہیں
امام احمد شرمندہ ہو گئے اور کہا کہ چھوڑ دو اس کو چنانچہ
وہ استہزا کرتا چلا گیا۔

تدریب الراوی صفحہ (۱۰۳) میں امام سیوطی نے حماد بن زید کا
قول نقل کیا ہے کہ زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں بنائی ہیں انتہی
ان کے سوا بعض خوش اعتقادی سے بھی حدیثیں بناتے تھے
چنانچہ تدریب الراوی صفحہ (۱۰۲) میں لکھا ہے کہ میسرہ بن عبدربہ
ایک نوجوان بڑے زاہد و عابد شخص تھے۔ انکو دنیا سے کوئی
تعلق نہ تھا اور ان کی یہ وجاہت اور تقدس مشہور تھا
کہ ان کا جب انتقال ہوا تو بغداد میں ہڑتال ہو گئی اور بازاروں
کی دوکانیں بند ہو گئیں۔ ایسے شخص کا یہ حال تھا کہ نیک نیتی سے
حدیثیں بنایا کرتے تھے چنانچہ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے
ان سے پوچھا کہ آپنے وہ روایتیں کہاں سے لائیں کہ جو فلاں
سورہ پڑھے اس کو یہ ثواب ہے اور فلاں سورہ کا یہ ثواب
کہا لوگوں کو رغبت دلانیکی غرض سے یہ حدیثیں میں نے بنائی ہیں
ان کے انتقال کے وقت کسی نے یہ کہا کہ اسوقت خدائتعالیٰ

کیا تھا حسن ظن کرو کھا میں نے کہا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ستر حدیثیں بنائی ہیں کیا اب بھی مجھے حُسن ظن نہ ہو گا۔

غور کیجئے کہ جب حضرت کی فضائل کی حدیثیں بنانا باعث مغفرت سمجھا جاتا تھا تو کتنی حدیثیں بحسب ضرورت تیار کر لی گئی ہوں گی۔ اسی وجہ سے محدثین کو تنقیح و تنقید کی ضرورت ہوئی

پھر جس طرح محبین اہل بیت نے علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ اطہار کے فضائل اور دوسرے صحابہ کے مناقص میں حدیثیں بنائیں اسی طرح اُن کے دشمنوں نے اقسام کی باتیں۔ اور حدیثیں تراشیں جو ان کے خلاف میں ہیں کیونکہ آخر مخالفین میں بھی علماء اور اس شان کے لوگ تھے جو جواب ترکی بہ ترکی دیں غرضکہ طرفین سے حدیثیں مع اسناد باضابطہ وقتاً فوقتاً تیار ہوتی گئیں اور جن علما کو حدیث میں تبحر نہ تھا انھوں نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا چنانچہ اب تک وہی حدیثیں استدلال میں پیش ہوتی جاتی ہیں۔

اب ہم بطور مثال چند امور بیان کرتے ہیں جو طرفین میں تراشی گئی ہیں۔ اور اُن پر اعتقاد جمے ہوئے ہیں۔

دبستان مذاہب صفحہ (۲۱۷) میں لکھا ہے کہ امویہ و زیدیہ کہتے ہیں
کہ علی کرم اللہ وجہہ نے الوہیت کا دعوے کیا چنانچہ اُن کے
اس خطبہ میں جس کا نام خطبۃ البیان ہے یہ عبارت موجود ہے
انا اللہ وانا الرحمن وانا الرحیم وانا الخالق وانا الرزاق
وانا الحنان وانا المنان وانا المصور النطفۃ
فی الارحام۔
کیا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے عین خطبہ میں ایسا دعوے
کیا ہو گا۔ مخالفین کہتے ہیں الوہیت تو درکنار ان کا اسلام بھی
ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ آیۃ شریفہ ومن الناس من یعجبک
قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام الایۃ
آپ ہی کی شان میں معاذ اللہ نازل ہوئی جس کے آخر میں
فحسبہ جہنم ہے یہ اُن کا عقیدہ دبستان مذاہب میں لکھا ہے
کیا کوئی ذیعلم کہہ سکتا ہے کہ یہ آیۃ معاذ اللہ علی کرم اللہ وجہہ
کی شان میں نازل ہوئی ہو گی۔

کتاب السیر صفحہ (۴۹) جو احمد بن سعید خارجی کی تصنیف ہے
اس میں لکھا ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو
خوارج کی طرف روانہ کیا تو انہوں نے سوال کیا کہ علی اور انکے

رفقا نے جو اہل بدعت کو بدعتیں کرنے اور کتاب اللہ پر عمل نہ کرنیکی وجہ سے قتل کیا۔ اور جنگ جمل میں جو ان لوگوں کو قتل کیا جو اطاعت سے خارج ہو گئے تھے اور اہل شام کو جو بغاوت کی وجہ سے قتل کیا گیا یہ سب امور ہدایت سے تھے یا ضلالت؟

ابن عباسؓ۔ رشد اور ہدایت تھے۔

خوارج۔ پھر کیا اس کے بعد آسمان سے کوئی حکم نازل ہوا جسکی وجہ سے وہ امور حرام ہو گئے۔

ابن عباسؓ۔ نہیں۔

خوارج۔ پھر اللہ کے دین میں کیوں حکم بنایا۔

ابن عباسؓ۔ تم جانتے ہو کہ حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ عورت و مرد کے معاملہ میں کوئی شخص حکم بنایا جاوے۔ اسی طرح محرم پرندہ کو قتل کریں تو حکم بنانیکی ضرورت ہے۔ جب ایسے چھوٹے چھوٹے امور میں حکم بنانیکی ضرورت ہے تو مسلمانوں کی خونریزی کو موقوف کرنے کی غرض سے حکم بنانا کیونکر جائز نہ ہوگا

خوارج۔ عورت۔ مرد اور پرندہ کے باب میں خدا تعالیٰ نے عدول کو حکم بنانیکا حکم فرمایا ہے۔ اس میں حکم بنانا امتثال امر الٰہی ہوگا بخلاف اس کے اگر حاکم چور کے ہاتھ کاٹنا چاہے اور لوگ اسمقدمہ میں

کسی کو حکم بنانے کی درخواست کریں تو کیا حاکم حکم مقرر کریگا۔
یا بطور خود حکم الٰہی کو جاری کرے گا۔

ابن عباس رض۔ حکم نہ بنائیگا بلکہ بطور خود حکم کو جاری کرے گا۔

خوارج۔ کیا معاویہ اور عمرو بن عاص حق تعالیٰ کے حکم کیطرف
رجوع کر گئے تھے۔

ابن عباس رض۔ نہیں۔

خوارج۔ کیا عمرو بن عاص نے کھلے طور پر عداوت اور بغاوت
نہیں کی۔ اور مصر کی حکومت کے بدلے اپنے دین کو نہیں بیچا اور ناحق
مسلمانوں کی خونریزی نہیں کی کیا باوجود اس کے وہ عدل تھے
اور ابو موسیٰ اشعری نے باوجودیکہ لوگوں کو جہاد سے روکا کیا وہ عدل
ہو سکتے ہیں۔

ابن عباس رض۔ نہیں یہ دونوں عدل نہ تھے۔

خوارج۔ اگر عمرو بن العاص عدل ہوں تو یہ ماننا پڑیگا کہ ہمارا ان سے
جنگ کرنا ناحق اور ناجائز تھا۔ عمرو بن عاص نے ستر شعر رسول اللہ
صلی اللہ کی دشمنی اور توہین میں لکھے اور حضرت نے دعا کی کہ الٰہی
میں تو اس کے جواب میں شعر نہیں لکھ سکتا۔ ہر ایک شعر کے بدلے
تو اس پر ایک لعنت کر۔ کیا ایسا شخص عدل ہو سکتا ہے؟ اگر وہ

عدل ہوں تو یہ کہنا پڑیگا کہ عمار اور جوان کے ساتھ شہید ہوئے

وہ گمرہی اور باطل پر تھے۔

ابن عباسؓ سے اس کا جواب نہ ہوسکا اور بے نیل مرام علیؓ

کے پاس گئے اور خبر دی کہ تقریر میں خوارج غالب آگئے۔ یہ سنکر

علیؓ خود اُن سے مناظرہ کرنے کو گئے اور یہ گفتگو ہوئی۔

علیؓ۔ اہل شام نے چونکہ مجھے کتاب اللہ کی طرف بُلایا تھا مجھے

ان کا قبول کرنا ضرور تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم

ثم یتولی فریق منہم وھم معرضون۔

یعنے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب اہل کتاب کو

کتاب اللہ کی طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ حکم کریں ان میں تو ایک

فریق ان کا منہ پھیر لیتا ہے۔

خوارج۔ اس صورت میں معاویہ بمنزلہ مسلمانوں کے ہوئے

اور تم بمنزلہ اہل کتاب کے۔ اس لئے کہ انہوں نے تمہیں

کتاب اللہ کی طرف بُلایا تھا۔ اگر تم حق پر تھے تو کتاب اللہ کا

صاف حکم تھا کہ اُن کے ساتھ لڑو یہاں تک کہ وہ حق کی طرف

رجوع کریں کیونکہ تم خلیفہ برحق تھے اور وہ باغی۔

علیؓ۔ تمہیں نے تو کہا تھا کہ جو لوگ ہمیں قرآن کی طرف بلاتے ہیں ہم ان سے نہ لڑیں گے۔ اور میں کہہ چکا تھا کہ دیکھو یہ ان کا دھوکہ ہے پھر میں نے ایسے شخص کو بھیجنا چاہا تھا کہ وہ جو لوگ جو گرہ دیتے وہ اسکو کھول سکتے تھے۔ یعنی ابن عباسؓ کو مگر تم اس پر راضی نہ ہوئے اور ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کرنے پر اتنا زور دیا کہ میں مجبور ہو گیا۔

خوارج۔ حق بات ہمارے سمجھ میں اب آئی اور اپنے گناہ سے ہم نے توبہ کی۔

علیؓ۔ میں بھی توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔

مقصود یہ کہ خوارج نے حضرت علیؓ کو توبہ کرا کر چھوڑا۔

اور لکھا ہے کہ علیؓ نے قیس بن سعد کو بھی مناظرہ کے لئے بھیجا تھا جن سے یہ گفتگو ہوئی۔

قیس۔ امیر المومنین کتاب اللہ کے موافق حکم کرنا چاہتے ہیں

خوارج۔ کیا اُن کے وکیل نے ان کو معزول نہیں کیا؟ پھر وہ امیر المومنین کیسے؟ مگر انہوں نے جب دیکھا کہ اپنے مطلب کے موافق انکے وکیل نے حکم نہیں کیا تو ان کو غصہ آگیا اور یہ غصہ ان کی ذاتی غرض سے متعلق ہے اس سے کیا ہوتا ہے ان کا دین اور حکومت تو پہلے ہی چھن گئی۔

قیس۔ خیر اس کو جانے دو اب اگر وہ توبہ کر کے تمہارے پاس آئیں تو کیا جب بھی تم ان کو قتل کرو گے جس طرح تم نے عثمانؓ کو قتل کیا تھا۔

خوارج۔ یہ کیا کہتے ہو عثمانؓ کو تو تم نے قتل کیا۔ کیونکہ وہ تمہارے حکم سے قتل کئے گئے۔

قیس۔ خیر علیؓ کو میں توبہ کرا کے تمہارے پاس لاتا ہوں۔

یہ سن کر وہ خوش ہوئے اور اپنے گھوڑے چراگاہ میں چھوڑ دیئے اور ادھر علیؓ نے اپنی پوری فوج لیکر ان پر چڑھائی کی اور جب امیروں سے کہا کہ بالاتفاق ان پر حملہ کریں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا۔ البتہ پہلے آپ ابتدا کرو گے تو ہم آپ کی رفاقت دیں گے اور اتباع کریں گے چنانچہ انہوں نے ایک تیر مارا اور تمام سوار ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے ان لوگوں نے تلوار کے میان توڑ دیئے اور مردانہ حملہ کیا چنانچہ فقط ایک زید بن جویم نے تقریباً سو آدمیوں کو قتل کیا جنمیں اکثر ہمدان کے لوگ تھے علیؓ نے کہا ایک شخص نے ہمدان کے خاندان کو فنا کر دیا صبح سے ظہر تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ علیؓ ایک طرف کھڑے کہہ رہے تھے اے لوگو! خدا کی قسم تم ہی لوگوں نے عثمانؓ کے قتل کو انجام دیا

تم ہی لوگ جنگ جمل میں کامیاب ہوئے اصحاب صفین تم ہی لوگ تھے۔ جب قران پڑھا جاتا تو تم ہی اصحاب قران تھے۔ ذوالعقیصہ نے جو علیؓ کے لشکر میں تھے یہ سنکر کہا جب یہ اوصاف اُن میں تھے تو پھر ہم کن لوگوں میں شمار کئے جائیں گے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ ماری اور ان میں جا ملا پھر عدی بن حاتم کے فرزند زید بن حصین کا حال دریافت کرتے آئے کہ وہ کس لشکر میں ہیں لوگوں نے کہا اُس طرف۔ تو وہ بھی اُن لوگوں میں شامل ہو گئے غرضکہ جو لوگ روئے زمین پر خیار اور اہل خیر شمار کئے جاتے تھے اس روز قتل کئے گئے چنانچہ اویس قرنی بھی اُنہیں لوگوں میں شریک تھے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قنبر نے مجھ سے کہا کہ لڑائی کے بعد علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ میں نہر پر گیا دیکھا کہ علیؓ روتے روتے زمین پر گر گئے۔ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا فرمایا کمبخت ہم نے ایسے لوگوں کو یہاں قتل کیا جو اس امت میں بہتر اور قراء تھے۔ پھر کہا اپنے نفس کو تو میں نے شفا دی مگر اپنی ناک کاٹ لی اور بہت کچھ اظہار ندامت کیا۔

ایک شخص نے علیؓ سے کہا کہ اگر حکم بنانا ہدایت کی بات تھی

توتم گمراہ ہوگئے کیونکہ حکموں کے قول پرعمل نہ کیا اور عہد شکنی کی۔
اور اگر حکم بنانا گمرہی تھا تو اہل نہرواں کو جو تم نے قتل کیا وہ گمرہی تھی
اس لئے کہ وہ گمرہی سے تمہیں باز رکھنا چاہتے تھے۔
جب علیؓ کے لشکر والوں نے دیکھا کہ اہل خیر کو انہوں نے قتل کیا
تو ایک ہی روز میں بارہ ہزار آدمی اُن کے لشکر سے علیحدہ ہوگئے
اور دوسرے روز تین سو آدمی۔ اور اسی روز سے ادبار شروع ہوگیا
جب علیؓ کوفہ میں داخل ہوئے تو حسنؓ نے پوچھا اے والد بزرگوار
کیا آپنے اُن لوگوں قتل کر ڈالا۔ کہا ہاں۔ کہا اُن کا قاتل تو جنت کو
دیکھ نہیں سکتا۔ کہا کاش میں رینگتا ہوا جنت میں داخل ہوجاؤں
ابن عباسؓ نے حسنؓ سے کہا کہ تم اُس گھرانے والے ہو۔ کہ
بنی اسرائیل کی طرح سرگرداں اور پریشان رہیں تو اُن سے زیادہ
تم اس کے مستحق ہو۔ پہلے تم کھڑے ہوئے کہ کتاب اللہ
اور سنت رسول اللہ پر عمل کریں گے اور جہاد کیا پھر کتاب اللہ پر حکم
مقرر کیا پھر ایسے مسلمانوں کو قتل کیا جو سب سے بہتر اور فقہا تھے
جنہوں نے اپنے گوشت پوست اور ہڈیوں کو عبادت میں فنا
اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کردیا۔
مسعود بن عبداللہ جب مدینہ کو گئے تو عائشہ رضؓ نے انکو بلا کر پوچھا۔

کہ علیؓ نے اپنے اصحاب کو کیوں قتل کیا انہوں نے پورا قصہ بیان کیا۔ کہا ظلم کیا۔ پھر پوچھا کیا مقتولوں میں سے کسی کا نام تم بتا سکتے ہو کہا ہاں حرقوص ابن زہیر سعدیؓ قتل کیا گیا یہ سنتے ہی انہوں نے انا للہ پڑھ کر کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ میرے گھر میں ایک روز تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا کہ اے عائشہؓ! جو شخص پہلے اس دروازہ سے آئیگا وہ جنتی ہے تھوڑی دیر نہیں ہوئی تھی کہ حرقوص آیا اس کی ڈاڑھی سے پانی ٹپک رہا تھا پھر دوسرے روز بھی حضرت نے ایسا ہی فرمایا اور وہی پہلے داخل ہوا پھر تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا غرضکہ اس کا قطعی جنتی ہونا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکرر گواہیوں سے ثابت ہے پھر پوچھا اور بھی کسی کا نام یاد ہے کہا ہاں زید بن حصین طائی۔ یہ سنتے ہی رونے لگیں اور کہا خدا کی قسم جس نیزے سے وہ مارے گئے اگر ساری امت اس پر جمع ہو تو خدا پر حق ہے کہ اُن سب کو دوزخ میں ڈالے۔

شعبی کہتے ہیں کہ اہل نہروان کو قتل کرنے کے بعد علیؓ کو اپنی خلافت کے استحکام کی امید نہیں رہی چنانچہ حسنؓ سے کہا کہ معاویہؓ کی بیعت کو مکروہ مت سمجھو۔

جابر بن زید کہتے ہیں کہ علیؓ جب خوارج کے قتل پر ندامت

ظاہر کرنے لگے تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے ان کو قتل بھی کیا اور اس پر
ندامت بھی ظاہر کرتے ہو اور ان کے کام کو زینت دیتے ہو آپ
اس قابل ہو کہ معزول کئے جائیں پھر دوسرے روز صبح کو کہا
کہ ایک شخص کو لاشوں میں تلاش کرو۔ ڈھونڈنے میں نافع مولی ترملہ کی
لاش ملی جو صحابی اور نیک بخت شخص تھے جن کے ہاتھ کو اونٹ نے
چباب ڈالا تھا۔ کہا یہ وہی شخص ہے۔ حسنؓ نے کہا یہ تو نافع مولا ترلہ
ہیں۔ کہا خاموش رہو حرب خدعہ ہے۔

یہ روایتیں ایسے شخص نے لکھی ہیں کہ جس کے نام کے ساتھ لفظ
امام لکھا گیا ہے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ روایتیں صحیح ہیں ہرگز
نہیں۔ اس کے ہم مشرب خوارج چاہیں اسکو امام کہیں یا اور کچھ مگر ہم تو
یہی کہیں گے کہ یہ سب روایتیں بنائی ہوئی ہیں جیسا کہ کتب تواریخ
وغیرہ کتب اہل سنت سے ظاہر ہے اور مناظرہ وغلبہ کی روایتیں
جو اس میں مذکور ہوئیں بعینہ ایسی ہیں جیسے علامہ میر عنایت حسین
صاحب نے رسالہ فیض عام میں جو ملا ابراہیم استرآبادی کے رسالہ
عربی کا ترجمہ ہے۔ ایک مناظرہ لکھ کر شائع کیا ہے کہ روایات صحیحہ
اور اسانید معتبرہ سے ثابت ہے کہ حسینہ جو ایک لونڈی تھی۔
اُس نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی شاگردی بیس برس کر کے

علم میں وہ تبحر حاصل کیا کہ ایک روز اپنے مالک کے ساتھ ہارون رشید کے دربار میں جاکر درخواست کی کہ تمام علماے بغداد کے ساتھ اپنا مناظرہ ٹھہرے چنانچہ امام ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہ سربرآوردہ علماے بغداد حاضر ہوے اور مناظرہ شروع ہوا۔ اور بہت دیر تک ہوتا رہا جس کی تفصیل بھی اس میں مذکور ہے انجام کار یہ ہوا کہ حسینہ نے سب کو ایسا تنگ کیا کہ سب ہار گئے اور اس کے ضمن میں ابوبکر و عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماے اہل سنت کو دل کھول کر خوب ہی صلواتیں سنائیں اور سب کا کفر ثابت کیا جس طرح خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کفر نعوذ باللہ ثابت کرتے ہیں۔ غرضکہ طرفین کی کتابیں دیکھی جائیں تو معلوم ہو کہ کیسی کیسی بے اصل باتیں تراشی گئیں۔

منہاج السنہ میں ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ بعضے شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما جو عثمان رضی اللہ عنہ کی بیویاں تھیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں نہ تھیں۔ بلکہ خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے تھیں جو کافر تھا۔

دبستان مذاہب میں خوارج کا قول نقل کیا ہے کہ حسنین از نژاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیستند بدیں آیت۔ ماکان

محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین نعوذ باللہ من ذلک۔

منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؓ نے مخالفوں سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں ابن فاطمہ ہوں انہوں نے جواب میں صاف کہدیا کہ خدا کی قسم ہم یہ نہیں جانتے۔ خوارج تو خوارج نادر یہ ہے کہ شیعہ کے بھی ایک فرقہ کا اسی قسم کا اعتقاد ہے چنانچہ منہاج السنہ جلد دوم صفحہ ۱۹۸ میں لکھا ہے المنتسبون الی الشیعۃ کالنصیریۃ وغیرھم یقولون ان الحسن والحسین ما کانا اولاد علی بل اولاد سلمان الفارسی یعنے نصیریہ وغیرہ کہتے ہیں کہ امام حسنؓ وحسینؓ علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند نہ تھے بلکہ معاذ اللہ سلمان فارسی کے اولاد تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک اب کہئے کیا ان اختراعی باتوں کا بھی کوئی اصل صحیح ملسکتا ہے ہرگز نہیں۔

شیعہ علی کرم اللہ وجہہ کے سوا تقریباً کل صحابہ کو دوزخی سمجھتے ہیں۔

اور علی کرم اللہ وجہہ کو قاسم النار والجنہ کہتے ہیں۔

خوارج حضرت امام حسنؓ کا قول پیش کرتے ہیں کہ قُرَّاء یعنے خوارج کا قاتل جنت میں نہ جائیگا۔ اور علی کرم اللہ وجہہ نے بھی تسلیم کر کے تمنا ظاہر کی کہ کاش میں رینگتا ہوا جنت میں داخل ہوجاؤں

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت اول سے آخر تک ہے

خوارج کہتے ہیں کہ عثمانؓ کے بعد جو آپ خلیفہ ہوئے تھے اس

خلافت کو بھی آپنے اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھے کیونکہ اپنے ہاتھ سے

لفظ امیر المومنین کو مٹا دیا جس سے لازم آیا کہ وہ امیر الکافرین ہیں۔

دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ خوارج کا اعتقاد ہے کہ

ابوبکرؓ و عمرؓ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس مردہ کو چاہیں زندہ کریں

کسی نے ان سے پوچھا کہ پھر رافضیوں کو گنگے بہرے کیوں نہیں

کر دیتے حالانکہ وہ تو سخت بدگوئیاں اُن کے حق میں کرتے ہیں

کہا یہ ان کا کمال حلم و برداشت ہے۔ عمرؓ کے پاس کسی بادشاہ نے

زہر ہلاہل کا شیشہ بھیجا کہ دشمنوں کے حق میں بکار آمد ہو آپنے

فرمایا میرے نفس سے زیادہ کوئی میرا دشمن نہیں۔ چنانچہ وہ زہر جس کا

ایک ایک قطرہ سم قاتل تھا اس کا پورا شیشہ آپنے پی لیا

اور کچھ اثر نہ ہوا جب اُن کی طبیعت میں یہ قوت تھی کہ ایسے زہر کا

صدمہ سہہ لیا تو دشمنوں کے طعن کا صدمہ سہنا کونسی بڑی بات ہے

تفسیر واقعہ غار

شیعہ آیۂ شریفہ اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن کا

مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ غار میں چیخ چیخ کر رو رہے تھے

اس غرض سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھ میں

گرفتار کرادیں جیسا کہ رسالہ فیض عام میں لکھا ہے۔

تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حریز بن عثمانؒ جو فن حدیث میں ید طولیٰ رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کو جو فرمایا۔ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ سو یہ حدیث تو صحیح ہے مگر بات یہ ہے کہ حضرت نے انت منی بمنزلۃ قارون من موسیٰ فرمایا تھا سننے والوں نے بجائے قارون کے ہارون سمجھ لیا۔ دیکھئے عداوت کی بھی کچھ انتہا ہے کہاں قارون اور کہاں ہارون۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قارون کیساتھ آپکو تشبیہ کیوں دینے لگے۔ مگر دشمنی کا کیا علاج یہ بعینہ ایسا ہے جیسے لاتحزن کے معنے چیخ چیخ کے رونے کے لئے جاتے ہیں۔

تہذیب التہذیب میں حریز بن عثمان سے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغلہ پر سوار ہونیکا ارادہ فرمایا علیؓ آئے اور کسی تدبیر سے اُس کا تنگ ڈھیلا کر دیا تا کہ حضرت گر پڑیں۔ کیا کوئی مسلمان یہ خیال کر سکتا ہے کہ علیؓ کو آپ سے ایسی عداوت تھی۔

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے اہل یمامہ سے جہاد کیا اور بارہ سو مسلمانوں کو قتل کیا جیسا کہ منہاج الکرامہ میں

لکھا ہے۔

خوارج کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے یہ جہاد ایک اسلامی حق کے واسطے کیا تھا۔ اور علیؓ نے صرف اپنی ریاست اور غلبہ کی غرض سے بغیر حکم خدا و رسول کے ہزارہا مسلمانوں کو تہ تیغ کیا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سباب المومن فسوق وقتاله کفر۔ یعنے مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے اور اُنکو قتل کرنا کفر ہے اس وجہ سے نعوذ باللہ وہ کافر ہو گئے اور یہ بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقين یعنے جو لوگ فساد اور تعلی نہیں چاہتے اُن کے لئے دار آخرت یعنے جنت ہے اور جو فساد اور تعلی سے قتال کرتے ہیں اُن کا حال فرعون کا سا ہے جو سعادت اخروی سے بے نصیب ہے خوارج کے قتل کا حکم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ مگر جنگ جمل اور جنگ صفین کا حکم نہ حضرت نے دیا نہ قرآن میں مذکور ہے نہ اس پر اجماع ہوا پھر اگر وہ باغی تھے تو انکی طرف سے تقدیم ہونی چاہئے تھی حالانکہ علیؓ نے انپر فوجکشی کی اس قسم کے امور منہاج السنہ میں مذکور ہیں خوارج کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اسلئے حضرت علیؓ کی تکفیر

کرتے ہیں اور یہاں تک ان کو اس باب میں غلو ہے کہ جبتک کوئی تکفیر نہ کرے۔ اس کو لڑکی دیں گے نہ اس کی لڑکی کریں گے۔

ملل ونحل صفحہ (۶۹) میں شہرستانی نے لکھا ہے کہ خوارج علیؓ کی تکفیر ہی نہیں کرتے بلکہ نعوذ باللہ ان کے مخلد فی النار ہونیکی بھی تصریح کرتے ہیں۔

ائمہ اہل بیت کو شیعہ معصوم جانتے ہیں اس کے جواب میں بعضوں نے یزید کو حد سے زیادہ بڑھایا چنانچہ منہاج السنہ صفحہ (۲۳۸) جلد دوم میں لکھا ہے کہ بعضے اکراد قائل ہیں کہ یزید صحابی تھا اور بعض خلفائے راشدین میں اس کو شمار کرتے ہیں اور بعضوں نے تو اسکو نبی مان لیا ہے۔

منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ غلاۃ شامیین کا عقیدہ تھا کہ خدائتعالیٰ جسکو خلیفہ بناتا ہے اس کی کل نیکیاں قبول کرتا ہے اور کل گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس سے کسی قسم کی بازپرس نہیں ہوتی۔

اسی وجہ سے معاویہؓ کے لشکر والے جس اقدر ان کی اطاعت کرتے تھے اس کا دسواں حصہ علیؓ کے شیعہ آپ کی اطاعت نہیں کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپنے اُن کو کئی بار بد دعائیں دیں اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ ائمہ کے معصوم ہونے کا مسئلہ اس وقت ایجاد نہیں ہوا تھا کیونکہ
اگر معصوم مانتے تو اطاعت میں ہرگز تساہل نہ کرتے۔
شیعہ کہتے ہیں کہ کل مسلمان عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف ہوگئے تھے
اس لئے اُن کو قتل کر ڈالا جیسا کہ منہاج الکرامہ میں لکھا ہے۔
دبستان مذاہب میں امویہ وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیۂ شریفہ
ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوٰۃ الدنیا ویشہد اللہ
علیٰ ما فی قلبہ وھو الد الخصام الآیہ۔
علی ؑ کی شان میں نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا بھی ہے
جس کی باتیں تمہیں اے پیغمبر اچھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے دلی
ارادہ پر خدا کو گواہ ٹھیراتا ہے حالانکہ وہ دشمنوں میں سب سے
زیادہ جھگڑالو ہے کھیتی باڑی اور نسل کو وہ تباہ کرے اور جو اس سے
کہا جائے کہ خدا سے ڈر تو شیخی اس کے دامنگیر ہوکر اُس کو گناہ پر
آمادہ کرے ایسے کو جہنم کافی ہے جو برا ٹھکانا ہے۔
اس سے ظاہر ہے کہ نعوذ باللہ علی کرم اللہ وجہہ حضرت کے
مخالف اور مضر دین اور مفسد تمدن تھے۔ اسی وجہ سے ان کو لوگوں
نے قتل کیا اور ان کے قاتل ابن ملجم کی شان میں وہ آیت
نازل ہوئی جو اُس آیۂ موصوفہ سے متصل ہے۔ یعنے ومن الناس

من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ جس کا مطلب یہ ہے
کہ اس نے حضرت علیؓ کو جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہے قتل کر کے
اپنے نفس کو خرید لیا اور دوزخ سے چھٹکارا پایا اور خدا اس سے راضی ہو گیا

نعوذ باللہ من ہذہ الاعتقادات الفاسدۃ۔
شرح مواقف جلد سوم صفحہ (۶۸۷) میں لکھا ہے کہ شیعہ میں ایک
فرقہ ہے جس کا نام بیانیہ ہے وہ کہتے ہیں کہ آیۂ شریفہ۔

انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال
فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا
الانسان انہ کان ظلوماً جہولاً۔ اسمیں
جو مذکور ہے کہ امانت کو آسمان وزمین نہ اٹھا سکے وہ یہ تھی کہ علیؓ کو
خلیفہ ہونے نہ دیں۔ اس سے آسمان وزمین ڈر گئے کہ علیؓ کا
مقابلہ کون کر سکے۔ مگر انسان یعنے ابوبکرؓ نے اس کو اٹھا لیا اور اس
باب میں عمرؓ نے اُن کی مدد کی اس شرط پر کہ اپنے بعد مجھکو
خلیفہ بنائیں۔ سو اس میں ایک بڑا ظالم تھا یعنے ابوبکرؓ اور ایک جاہل تھا
یعنے عمرؓ۔ اب کہئیے کہ اس قسم کے خرافات جو تراشے گئے ہیں
کیا ان کا کوئی اصل نکل سکتا ہے۔ اسی قسم کی حدیثیں طرفین سے
بنالی گئیں۔ اور آپنے دیکھ لیا کہ طرفین سے کس قدر افراط و تفریط ہے

منہاج السنہ جلد دوم صفحہ (۱۴۵) میں لکھا ہے کہ شیعہ ابوبکرؓ و عمرؓ جانور کے نام رکھ کر ان کو ایذا دیتے ہیں اور سرخ بکری کا نام عائشہؓ رکھ کر اس کے بال اکھاڑتے ہیں اور لکھا ہے کہ ایک شیعی کے کتے کو کسی نے بکیر کہہ کر پکارا ہر چند مقصود اس کا ابوبکر کی توہین تھی۔ مگر صاحب کلب کو یہ ناگوار ہوا اور کہا کہ میرے کتے کو دوزخی شخص کے نام سے تو نے کیوں پکارا اس پر دونوں میں خوب مار پیٹ ہوئی۔ یہاں تک کہ دونوں زخمی ہوئے اور لکھا ہے کہ آٹے کا پتلا بنا کر اس میں شیر بھرتے ہیں اور اس کا نام عمرؓ رکھ کر اس کا پیٹ پھوڑتے ہیں اور سب اسکو کھا جاتے ہیں اس تصور سے کہ عمرؓ کا خون پی رہے ہیں اور گوشت کھا رہے ہیں۔

دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ امویہ عاشورہ کے روز نہایت خوشی کرتے ہیں یہ عید ان کے یہاں سب عیدوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس روز سب جنگل میں جاتے ہیں۔ اور مٹی کے پتلے بنا کر ان کو حضرات شہدائے کربلا کے اجساد تصور کر کے ان پر گھوڑے دوڑاتے ہیں اس خیال سے کہ معاذ اللہ ان حضرات کی لاشوں کو پامال کر رہے ہیں دیکھئے طرفین سے عالم تصور میں کیسی کیسی معرکہ آرائیاں ہو رہی ہیں۔

مگر الحمد للہ اس تصوری دنیا میں جہاں طرفین جولانی کر رہے ہیں اہل سنت وجماعت داخل نہیں ہوئے۔ ہر چند کسی کتاب سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ ابتدا اس جنگ دائمی کی کب سے اور کیونکر ہوئی مگر میری دانست میں موجد اس کے امویہ اور خوارج ہوں گے۔ اس لئے کہ اُن کی طبیعتوں میں عداوت کا سخت جوش ہے۔ چنانچہ دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ ایک گروہ ہے جس کو سیاف کہتے ہیں ان کی عادت ہے کہ تلواریں کھینچکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد امجاد پر معاذ اللہ لعنت کرتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ ان کو بہت کچھ دیتے ہیں چنانچہ اسی پر اُنکی گذران ہے اس سے اس قوم کی عداوت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہر وقت وہ اسی خیال میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ انکی تصوری دنیا میں خاص خاص واقعات کا نقشہ کھنچا رہتا ہے جہاں وہ وقت آگیا خاکہ جما دیا۔

غرضکہ طرفین سے افراط و تفریط دل کھولکر ہوئی جقدر حضرات شیعہ صحابہ اور خلفا پر حملے کرتے ہیں اس سے زیادہ خوارج وغیرہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم پر کرتے ہیں اور طرفین کا یہ اصول ٹھیرا ہوا ہے کہ جو حدیث اپنے مفید مطلب

جس کتاب میں ملے اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں اور جو حدیث وغیرہ اپنے مخالف مدعا ہو اس کو رد کر دیتے ہیں گو کیسی ہی قوی الاسناد اور صحیح ہو بخلاف اس کے اہل سنت وجماعت کہ خیر الامور اوسا طہا۔ کا شرف ان کو حاصل ہے جو روایتیں فضائل اہل بیت وخلفاء وصحابہ میں طرفین سے پیش ہوتی ہیں سب کو تسلیم کرتے ہیں بشرطیکہ صحیح اور قوی الاسناد ہوں نہ انکو کسی حدیث کے رد کرنیکی ضرورت ہے نہ تاویل سے غرض۔ کیوں نہ ہو جس طرح دین اسلام افراط وتفریط سے بری ہے۔ اسی طرح مذہب اہل سنت وجماعت بھی بری ہے۔

اسلام افراط و تفریط سے بری ہے

دوسرے ادیان میں افراط وتفریط کا ہونا اور دین اسلام اس سے بری ہونا اس سے ثابت ہے کہ یہود اور نصاریٰ کی توحید میں افراط وتفریط ہے اور دین اسلام میں توسط۔ دیکھئے یہود خدائتعالیٰ میں صفات نقص بندوں کے ثابت کرتے ہیں چنانچہ اسکو معاذ اللہ فقیر کہتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ خدائتعالیٰ جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تو معاذ اللہ تھک گیا۔ اور نصاریٰ مسیح ابن مریم اور اللہ کے ثالث ثلاثہ ہونے کے قائل اور احبار اور رہبان کے لئے ربوبیت ثابت کرتے ہیں۔ دیکھئے یہود نے

خدا تعالیٰ کو بندوں کے برابر کر دیا اور نصاریٰ نے بندوں کو خدا کے ہمسر بنا دیا بخلاف اہل اسلام کے کہ خدا تعالیٰ کو تمام نقائص سے منزہ اور بری سمجھتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السّلام وغیرہ مقربان بارگاہ الٰہی کی عظمت اس حد تک کرتے ہیں کہ شانِ کبریائی تک نہ پہونچنے پائے۔

اسی طرح مسئلہ نبوت میں بھی افراط و تفریط ہے چنانچہ یہود انبیاء کی توہین کرتے ہیں بلکہ قتل کر ڈالتے تھے اور نصاریٰ حواریوں کو بھی رسول سمجھتے اور ان کی اتباع کو مثل انبیاء کی اتباع کے بالذات لازم سمجھتے ہیں بخلاف اہل اسلام کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو وہ بالذات ضروری سمجھتے ہیں اور علماء کی اطاعت بھی کرتے ہیں مگر اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو انہوں نے خوب سمجھا ہے۔ تلاش کرنے سے بہت سی نظیریں ملسکتی ہیں کہ دوسرے ادیان میں افراط و تفریط ہے اور ہمارا دین متوسط ہے کیوں نہ ہو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وكذلك جعلنكم امة وسطا۔

پھر جس طرح ہمارا دین متوسط ہے اسیطرح اہل سنت کا مذہب بھی متوسط اور افراط و تفریط سے دور ہے۔ دیکھئے صفات الٰہیہ میں

کس قدر افراط و تفریط ہے معتزلہ تو ان کی بالکل نفی ہی کر دیتے ہیں اس وجہ سے کہ قِدَم خاص صفت الٰہی ہے اگر کل صفات بھی قدیم ہوں تو تعدد قدما لازم آئیگا جیسا کہ مواقف وغیرہ میں لکھا ہے۔ اور مجسمہ جتنے آیات واحادیث صفات کے باب میں وارد ہیں سب کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں چنانچہ انکا اعتقاد ہے کہ خدائے تعالیٰ کی صورت ظاہری انسان کی سی ہے اُن کے خدا کا قد سات بالشت کا ہے۔ گوشت وغیرہ سے مرکب دو موئے نورانی تاج اوڑھے عرش پر ٹیکا لگائے بیٹھا ہے سب اعضا اس کے ہلاک ہو جائیں گے مگر چہرہ باقی رہیگا جیسا کہ مواقف اور تلبیس ابلیس اور تمہید میں لکھا ہے۔

دیکھئے کس قدر افراط و تفریط ہے بخلاف ان کے اہل سنت وجماعت خدائے تعالیٰ کے ان تمام صفات کو مانتے ہیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس طرح اس نے فرمایا ہے۔ لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر اس کا کوئی کسی بات میں مثل اور شبیہ نہیں نہ اس کی سماعت اعصاب سے متعلق ہے نہ بصارت آنکھ کے پردوں سے کیونکہ ہر صفت موصوف کی شان کے لائق ہوا کرتی ہے جیسے

خدا تعالیٰ جسمانیت اور لوازم جسمانیت سے منزہ ہے اس کے صفات بھی منزہ ہیں۔ چوں کہ ہم لوگ اس قسم کی صفات جسمانیات میں دیکھتے ہیں اس لئے عموماً خیال اسی کی طرف منتقل ہوتا ہے حالانکہ غور کیا جائے تو ان امور کو جسم سے عقلاً کوئی تعلق اور مناسبت نہیں سماعت اور کان کے پٹھے کو خیال کیجئے تو دونوں میں کوئی ذاتی علاقہ نہ سمجھا جائیگا۔ اور ممکن نہیں کہ عقل دونوں میں تعلق ثابت کرسکے۔ اسیطرح اور صفات کا بھی حال ہے بہر حال مسلمان کا کام یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جسطرح اپنے صفات کی خبر دی ہے اس کو اعتقاداً مان لے اور اس کی کیفیات کو علم الٰہی پر حوالہ کردے اور ہر صفت میں بالیق بشانہ خیال کیا کرے کیونکہ عقلا نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ قیاس الغائب علے الشاہد صحیح نہیں۔ غرضکہ اہل سنت وجماعت کا مذہب صفات الٰہیہ میں افراط اور تفریط سے بری اور متوسط ہے۔

مواقف میں لکھا ہے کہ شیعہ میں ایک فرقہ ہے جس کو مفوضہ کہتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ حقتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرکے تمام دنیا کا پیدا کرنا آپ سے متعلق کردیا۔

وہابیہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم جیسے ایک معمولی آدمی تھے۔ اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ بیشک آدمی ہیں مگر تمام آدمیوں سے بلکہ تمام عالم سے افضل ہیں خداتعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا اور علم اولین وآخرین آپ کو عطا ہوا۔ اس کے سوا اور بہت ساری خصوصیتیں ہیں جن کو حقانی علماء خوب جانتے ہیں۔

کرامیہ کہتے ہیں خداتعالیٰ جس حادث کی طرف ایجاد خلق میں محتاج ہوتا ہے اس کو اپنے میں پیدا کرتا ہے۔ یعنے ارادہ اور لفظ کُنْ قدرت قدیمہ سے اپنے میں پیدا کرتا ہے۔ اور یہ حوادث چوں کہ اس میں موجود ہیں اس لئے وہ محل حوادث ہے

جبائیہ کہتے ہیں کہ خداتعالیٰ کا ارادہ حادث تو ہے مگر محل میں نہیں باوجودیکہ خداتعالیٰ اس ارادہ کی وجہ سے مرید ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ خداتعالیٰ میں صفت ارادہ قدیم ہے البتہ اس کے تعلقات حادث ہیں اس سے اس ذات منزہ کا محل حوادث ہونا لازم نہیں آتا۔ غرضکہ اہل سنت وجماعت درجہ توسط میں ہیں۔

تمہید ابوشکور وغیرہ میں قدریہ کا قول لکھا ہے کہ خداتعالیٰ نے

بندوں کو ہر کام میں مختار کر دیا ہے جو چاہیں کریں۔ اُن کے افعال سے نہ قضا و قدر متعلق ہے نہ مشیت ایزدی نہ اس کا ارادہ نہ قدرت۔ اور اسی کو مسئلہ عدل کہتے ہیں۔ اور بعضوں نے تو یہاں تک غلو کیا کہ خدا کو شیطان کا بھی خالق نہیں سمجھتے اس لئے کہ اس کے پیدا کرنے سے خالق کفر ہونا اور کفر و شر کا ارادہ کرنا لازم آتا ہے۔

انہوں نے فقط اسی کا خیال کر لیا کہ اگر مشیت اور قضا و قدر کے قائل ہو جائیں تو خدا تعالیٰ کے عدل میں فرق آجائیگا مگر یہ خیال نہیں کیا کہ اگر بندہ کی قدرت مستقل مانی جاوے تو لازم آئیگا۔ کہ بندہ کو بھی اتنی قدرت ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم ازلی کو باطل کر سکے کیونکہ اگر علم آلہی میں مثلاً یہ ہو کہ زید زنا کریگا۔ اور اس کے نطفہ سے بچہ پیدا کیا جائیگا۔ تو اگر زید میں اتنی قدرت ہو کہ زنا کو ترک کر دے تو خدا تعالیٰ کا علم خلاف واقع ثابت ہو گا۔ اور لازم آئیگا کہ بندہ نے اپنی قدرت سے علم آلہی کو باطل اور خلاف واقع ثابت کر دیا۔ اور اگر زنا کو ترک کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قدرت مستقل کہنا ہی فضول ہے۔ رہا عدل سو وہ مالک و مختار ہے اپنی ملک میں جو چاہے کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا جیسا کہ خود

مسئلہ عدل

ارشاد فرماتا ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون یعنے وہ جو کام کرتا ہے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا اور وہ سب سے پوچھے گا۔ دیکھئے جس کو چاہا دنیا میں شقی بنایا اور جس کو چاہا سعید۔ فقیر جو فاقوں سے مر رہا ہو وہ یہ نہیں پوچھ سکتا کہ میرے بھائی کو بادشاہ اور امیر اور مجھے فقیر کیوں بنایا۔ کیونکہ تخلیق سے متعلق کوئی سوال خالق سے نہیں ہو سکتا اسیطرح سعادت اخروی سے متعلق بھی سوال نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اسکا مدار بھی انہیں صفات پر ہے جو مخلوق الٰہی ہیں دیکھئے سخاوت، شجاعت عفت وغیرہ سب فطرتی امور ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کوئی سخی ہے تو کوئی بخیل اور کوئی بزدل ہے تو کوئی جوانمرد کوئی شہوت پرست ہے تو کوئی متقی ہر صفت کے آثار وہی ظہور میں آئیں گے جو اس سے متعلق ہیں۔ اب کہئے کیا کوئی پوچھ سکتا ہے کہ مجھے بخیل کیوں بنایا اگر سخی بناتا تو میں سعادت حاصل کرتا اسی پر سب کو قیاس کریجئے اس سے ثابت ہے جسکو چاہا جنتی بنایا اور جسکو چاہا دوزخی جیساکہ ارشاد ہے ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس یعنے ہم نے بہت سے جن و انس کو دوزخ کے واسطے پیدا کیا ہے۔ جب کفار کی تخلیق ہی دوزخ کے واسطے ٹھری تو اس کو عدل سے کیا تعلق اور کس کو حق ہے کہ اپنی تخلیق سے متعلق سوال کر سکے

اگر سوال وجواب کا دروازہ کھولا جائے تو بڑی دشواری ہے۔

ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے جبائی سے پوچھا جو معتزلی تھا کہ فرض کرو کہ خدا تعالیٰ نے تین شخصوں کو پیدا کیا اُسمیں سے ایک لڑکپن ہیں مرگیا اور دو بالغ ہوئے ان میں ایک جنتی ہوا اور ایک دوزخی۔ پھر لڑکپن ہیں جو مرگیا تھا وہ جنت میں داخل کیا گیا۔ مگر اس کے بھائی کے درجہ سے اس کو کم درجہ ملا۔ اب وہ لڑکا پوچھتا ہے کہ مجھسے کیا قصور ہوا کہ اپنے بھائی کے درجہ سے میں کم درجہ ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اس نے عمل کیا تھا اور تو نے کچھ عمل نہیں کیا۔ اس نے عرض کی کہ اگر میں بھی اس کی عمر پاتا تو بہت کچھ عمل کرتا۔ ارشاد ہوا کہ اس ہیں ایک مصلحت تھی وہ یہ کہ میں جان لیا تھا کہ اگر تو بالغ ہوتا تو کافر ہو جاتا اس لیے تجھے لڑکپن ہی ہیں ہم نے دنیا سے اٹھا لیا۔ جو تیرے حق ہیں اصلح تھا۔ یہ سُنتے ہی دوزخی نے فریاد کی کہ الٰہی اگر مجھے بھی میرے بھائی کی طرح قبل از بلوغ مار ڈالتا تو میرے حق ہیں بڑی مصلحت تھی نہ میں زندہ رہتا نہ کافر اور دوزخی بنتا۔ اب اس کافر کا کیا جواب۔ غرض جبائی سے اس کا جواب کچھ نہ ہو سکا اور مبہوت ہوگیا۔

بات یہ ہے کہ خدائتعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ مصالح جزئیہ کے لحاظ سے ہر ایک کی مرضی کے موافق کام کیا کرے وہاں تو مصالح کلیہ ملحوظ ہیں۔ شان کبریائی کے شایاں نہیں کہ ہر کام کی مصلحت ہر ایک سے بیان کرتا رہے یا اس کی مرضی کے موافق کام کیا کرے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خدائتعالیٰ کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں کیوں کہ یہ مقولہ کہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ ہر قوم کا مسلمہ ہے جب معمولی حکیموں کا فعل مصلحت سے خالی نہ ہو تو خالق حکما، و حکمت کے افعال کیونکر خالی ہو سکیں گے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ ہر فعل کے کل مصالح ہم سمجھ سکیں دیکھئے حکما کے کاموں کی بھی تو سب مصلحتیں اور حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ پھر خدائتعالیٰ کے عمومی مصالح کیونکر سمجھ میں آسکیں۔ اگر یہی بات ہوتی تو سائنس کی ترقی ممکن نہ ہوتی حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مخلوقات میں جو جو حکمتیں اور مصلحتیں ودیعت کی گئی ہیں یوماً فیوماً گویا الہامی طریقوں میں معلوم کرائی جا رہی ہیں۔ غرضکہ خدائتعالیٰ نے جسے چاہا دوزخ کے لئے پیدا کیا اور اسمیں وہی افعال پیدا کئے جنکی سزا دوزخ ہے اور جسے چاہا جنتی بنایا اور اسمیں افعال حسنہ پیدا کئے۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔ پھر تقدیر کو ہر ایک شخص سے مخفی رکھا۔ اور بذریعہ انبیا سکو معلوم کرا دیا

کہ کونسے افعال باعث دخول دوزخ ہیں اور کون سے باعث دخول جنت۔ اور ہر شخص کو اچھے بُرے کی تمیز دی چنانچہ وہ جان بُوجھ کر اچھے بُرے کاموں کا ارادہ کرلیتا ہے اور اس کے ارادے کے مطابق خدائے تعالیٰ وہ کام اس میں پیدا کردیتا ہے اب یہ کہنا کہ خدا کا ظلم ہے کہ ایسی چیز پیدا کرتا ہے جو باعث ہلاکت ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی کہے خدا زہر کو پیدا کرکے لوگوں کو ہلاک کرتا ہے اس لیئے وہ ظالم ہے۔ یہ الزام ہرگز عائد نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے زہر اور افعال سیئہ کی خاصیتیں پہلے ہی معلوم کرادیں جس سے ہر شخص جانتا ہے کہ جو ان کا استعمال کریگا ہلاک ہوگا۔ اب رہا امر تقدیری سو وہ راز سربستہ ہے کسی کو خبر نہیں دی گئی کہ اسکی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔

فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ ابلیس سے خدائے تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ کہا اگر تیرا ارادہ ہوتا تو میں ضرور سجدہ کرتا۔ ارشاد ہوا کیا تجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔ کہ ہمارا ارادہ نہیں۔ کہا نہیں! فرمایا اسی وجہ سے تو قابل مواخذہ ہے۔ ہر چند فعل کی تخلیق میں بندے کی قدرت کو کوئی دخل نہیں اسلیئے کہ اس کا فعل ممکن اور حادث ہے اور کوئی ممکن حادث بغیر خدا کے

پیدا کئے پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وجود دینا خاص خدا کا کام ہے
جب خود بندہ اپنے وجود میں خدا تعالیٰ کا محتاج ہے تو یہ تو اسکے
عوارض اور حالات ہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ جب تک بندے کا ارادہ نہو
خدا تعالیٰ اس کام کو پیدا نہیں کرتا۔ بہر حال بندے کا ارادہ فعل سے
متعلق ہونا اس کو کاسب کہنے کے لئے کافی ہے اور وہ اسی وجہ سے
اپنے کو کاسب بلکہ فاعل مختار سمجھتا ہے اور اپنے وجدان میں رعشہ
کی حرکت اور اختیاری حرکت میں فرق کرتا ہے۔ سمجھنے کے لئے
من وجہ یہ مثال کافی ہو سکتی ہے۔ کہ اگر توپ میں مثلاً بارود ہو اور کسی
سوتے ہوئے شخص کی طرف اس کا منہ ہو اور ایک شخص اس کے
قتل کی غرض سے توپ کے کان پر آتشی آئینہ نصب کرکے چلا جائے
اور جب آفتاب محاذی ہو اور آواز چل جائے تو یہ شخص اپنی برات
کے واسطے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے صرف اس کے قتل کا ارادہ
کیا تھا۔ پھر آفتاب کا حرکت کرکے نصف النہار تک پہنچنا اور
باروت[1] کے محاذی ہونا اور سیدھی سیدھی شعاعوں کا اسپر گرنا
اور اس سے آگ کا پیدا ہونا میرے اختیار سے خارج ہے۔ اور تو
اور خود اس کا وجدان گواہی دیگا کہ گو باعث قتل کچھ ہی ہو مگر وہ
ارادہ اور ہاتھ سے آئینہ کو نصب کرنا خود اقدام قتل ہے گو بارود میں

آگ کا پیدا ہوجانا آفتاب کا اثر ہے اسی طرح گو ایجاد فعل خدا کی قدرت کا اثر ہے مگر آدمی کا ارادہ اور مباشرت جارح اس کو مجرم بنانے کے لئے کافی ہیں۔ جب ایمانی اور عقلی طریقہ سے ثابت ہوگیا کہ ایجاد فعل میں بندے کو دخل نہیں وہ صرف خدا کا کام ہے تو اس کے بعد بندے کو اس فعل پر قادر اور اس کے لئے قدرت حقیقی یا وہمی ثابت کرنا کسی قدر ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتا ہے رہا الزام سو اس کے لئے تعلق ارادہ اور وجدان عادی کافی ہے کیونکہ وجدان کے لئے یہ ضرور نہیں کہ ہمیشہ وہ واقعی امر کی خبر دیتا ہو دیکھئے احول کا وجدان یہی گواہی دیگا کہ ایک کے معنی دو ہیں صفراوی امراض والے کا وجدان یہی گواہی دیگا کہ شکر کڑوی ہے بارش کے قطروں کو دیکھنے والے کا وجدان یہی گواہی دیتا ہے کہ پانی کی دھاریں زمین پر گرتی ہیں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ کہ واقعہ کچھ ہے اور وجدان کچھ گواہی دیتا ہے۔

جب وجدان کا قابل اعتبار نہ ہونا صدہا مثالوں سے ثابت ہے تو صرف اس وجدان سے (کہ اپنے فعل کے خالق ہم ہیں۔ یا ہماری قوت۔ اس کی خالق یا اس میں موثر ہے) نصوص قطعیہ کو ترک کردینا کیونکر جائز ہوگا۔ جتنے بت پرست ہیں اُن کا

وجدان گواہی دیتا ہے کہ ان کی مرادیں بتوں سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ حاجت روا ہیں جس کی وجہ سے وہ بتوں کو خدا کے شریک ٹھیراتے ہیں۔ اگر ہم بھی اپنے وجدان کی وجہ سے اپنے آپکو اپنے افعال کے خالق قرار دیں تو ہم میں اور اُن میں فرق ہی کیا ہوا۔ نعوذ باللہ ہم بھی خالق ٹھیرے۔ اسی وجہ سے قدریہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ھذہ الامة فرمایا ہے کیونکہ مجوس دو خالق کے قائل ہیں۔ ایک خالق خیر دوسرا خالق شر۔ اگر اس مجوسانہ اعتقاد پر خدا تعالیٰ مواخذہ فرمائے تو کچھ بعید نہیں بلکہ عدل ہوگا اس لئے کہ افعال سیئہ پر عقوبت کرنا اسی وجہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ کے امر و نہی کی اس میں مخالفت ہوتی ہے سو وہ اس میں بھی موجود ہے دیکھئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے واللہ خلقکم وما تعملون واللہ خالق کل شئ اس کے سوا صدہا آیات واحادیث وارد ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ہر معدوم کو موجود کرنا خدا ہی کا کام ہے اب عقل کو ماننے میں اگر عذر ہے تو اسی قدر ہے کہ اگر تخلیق افعال کو خدا اپنے قبضہ میں رکھ کر کسی کام کا حکم کرے تو عدل کے خلاف ہوگا۔ مگر عقل اسکو بھی تو جائز نہیں رکھتی کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔ اور خالق کا کلام باوجود تصدیق کرنے کے جھوٹا تصور کیا جائے کیونکہ تاویل کرنیکا

مطلب کھلے لفظوں میں یہی ہے کہ ہم اس کو نہ مانیں گے۔
اور اپنی عقل کے مطابق اس کو بنالیں گے۔ پھر یہ بھی خلاف عقل ہے
کہ خدائتعالیٰ کے سوا کوئی معدوم شئے کو وجود دے سکے۔ اور یہ بھی
خلاف عقل ہے کہ بندے میں اتنی قدرت فرض کی جائے کہ خدائتعالیٰ
کے علم ازلی کو خلاف واقع ثابت کر سکے۔ صورت سابقہ میں اگر
عدل میں کلام تھا تو اب خالقیت وغیرہ میں کلام ہو گیا ایسے
موقع میں اہل ایمان کو چاہئیے کہ جس طرح ممکن ہو۔ خدائتعالیٰ نے
جو کچھ فرمایا ہے اس کو تسلیم کرلیں اور اس کے سمجھنے کی فکر میں
لگے رہیں۔ اور کوشش کریں تو امید ہے کہ چند روز کی کوشش
میں وہ بات خود حل ہو جائے گی کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین
جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اس سچے وعدے کا مقتضا یہ ضرور ہے کہ اس کے
لم کو خدائتعالیٰ ضرور سمجھا دے گا یہی وجہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کو
اس مسئلے میں جتنے آیات ظاہرہ متعارض معلوم ہوتے ہیں انمیں
بفضلہ تعالیٰ ذرا بھی تردد نہیں سب پر برابر ایمان لاتے ہیں اور انکے
اثبات پر دلائل قائم کرتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ سمجھنے کی کوشش
میں نیک نیتی کریں اور عقیدت ملحوظ رہے۔ ورنہ قیامت تک
وہ بات ہرگز سمجھ میں نہ آئیگی۔ کیونکہ خدائتعالیٰ کو کیا غرض کہ انکار پر

اڑے ہوؤں کی تفہیم کرے۔ دیکھئے صاف ارشاد ہے۔

نولہ ما تولی ونصلہ جھنم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کمال خیر خواہی سے منکروں کو سمجھانیکی کوشش ضرورت سے زیادہ فرماتے تھے اس پر ارشاد ہوا۔

افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین

وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون یعنی کیا تم اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر زبردستی کرتے ہو کہ خواہ مخواہ وہ ایمان لائیں بے حکم خدا کسی شخص کے اختیار میں نہیں کہ ایمان لے آئے۔ اور خدا کفر کی گندگی ان پر ڈالتا ہے جو سمجھتے نہیں انتہیٰ۔

مقصود یہ کہ آپ کو اس قدر رنج اٹھانیکی ضرورت نہیں۔ آپ کا کام کہدینا ہے جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے

در فیض محمدؐ وا ہے آئے جسکا جی چاہے نہ آئے شوق سے دوزخ میں جائے جسکا جی چاہے

قدریہ کی عقلوں نے خدا تعالیٰ کو ظلم سے بری کرنے کی غرض سے یہ تدبیر نکالی کہ وہ خالق افعال نہیں اور کہدیا کہ عالم کے ایک بڑے حصہ کا خالق نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرے عقلا نے کہا کہ مادہ سے سب کام چل جاتے ہیں اس لئے پورے عالم کا بھی وہ خالق نہ ہو تو

کیا مضائقہ۔ چنانچہ مولوی شبلی صاحب نے منہاج الکرامہ میں لکھا ہے کہ اکثر اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ قبیح کام کرتا ہے اور کفر اور کل معاصی قضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں جن میں بندے کے فعل کو کچھ دخل نہیں اور خدا تعالیٰ کافر سے معصیتوں کا ارادہ کرتا ہے اور اس کی اطاعت کا ارادہ نہیں کرتا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ ظالم ہو کہ خود ہی نے کفر کو اس کی تقدیر میں رکھا اور ایمان کی قدرت اس میں نہیں پیدا کی اور باوجود اسکے اس پر عذاب کریگا جس سے کافروں کو حجت قائم کرنے کا موقع مل جائیگا۔ اور انبیاء کی بعثت نہ ہوگی۔ اور انبیاء پر وہ حجت قائم کردیں گے کہ خدا نے ہم میں ایمان کی قدرت ہی نہیں پیدا کی۔ پھر ہم ایمان لائیں تو کیسے اور نیز کافر کو ایمان کا حکم کرنا تکلیف مالایطاق ہوگا۔ اور ہمارے اختیاری افعال اضطراری ٹھہر جائیں گے۔ اور جب سب فعل خدا کے ہوں تو محسن اور مخالف میں فرق کرنیکی ضرورت کیا اور کافر مطیع سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے ارادۂ الٰہی کی تکمیل کی اور خدا کی طرف سفاہت کی نسبت لازم آئیگی کہ کافر کو ایمان کا حکم کرتا ہے۔ اور اس کا ارادہ نہیں کرتا نعوذ باللہ منہا ان کے سوا اور بہت سے اعتراض کئے ہیں جو تقدیر کے مسئلے پر

وارد ہوتے ہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ مسئلۂ تقدیر میں گفتگو کرنے کا حکم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے میں گفتگو کرنے والوں پر خفا ہوا کرتے تھے۔

نہج البلاغہ صفحہ (۱۲۶) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔

وسئل عن القدر فقال طریق مظلم فلا تسلکوہ وبحر عمیق فلا تلجوہ وسر اللہ فلا تتکلفوہ۔

یعنی کسی نے علی کرم اللہ وجہہ سے قدر کا مسئلہ پوچھا فرمایا وہ اندھیری راہ ہے اس میں مت چلو اور عمیق سمندر ہے اس میں مت داخل ہو وہ خدا کا بھید ہے اس کے سمجھنے کی تکلیف مت اٹھاؤ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ ہر ایک کی سمجھ میں پورے طور سے نہیں آسکتا مگر چوں کہ حضرات شیعہ مسئلہ عدل پر بہت زور دیتے ہیں اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ تھوڑی سی بحث اس میں بھی کرلی جائے

کلینی کے باب الخیر والشر میں یہ حدیث منقول ہے۔ خیر و شر

عن محمد بن مسلم قال سمعت اباجعفر یقول ان فی بعض ما انزل اللہ من کتبہ انی انا اللہ لا الٰہ الا انا خلقت الخیر وخلقت الشر

فطوبی لمن اجریت علی یدیہ الخیر وویل لمن اجریت علی یدیہ الشر وویل لمن یقول کیف ذا وکیف ذا۔

یعنی امام ابوجعفر (محمد باقر ؑ) فرماتے ہیں کہ کسی کتاب آسمانی میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے خیر و شر دونوں پیدا کئے اس کو خوشخبری ہے جس کے ہاتھوں پر میں نے خیر جاری کی اور اس کی خرابی ہے جس کے ہاتھوں پر میں نے شر جاری کی اور اس کی بھی خرابی ہے جو کہے یہ کیسا اور وہ کیوں کر انتہیٰ۔

دیکھئے لفظ ویل اس کی نسبت ارشاد ہے جو اس مسئلہ میں استبعاد ظاہر کرے جس کا مقتضا یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ بغیر چون و چرا کے اس مسئلہ کو تسلیم کر لے اور اسی کے باب الجبر والقدر صفحہ (۸۹) میں یہ روایت ہے

عن ابی عبد اللہ ؑ قال لا جبر ولا تفویض ولکن الامر بین الامرین۔ یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ معاملہ دونوں کے بین بین ہے۔

بندہ مجبور نہ ہونے کی توضیح اس روایت سے ہوتی ہے جو کلینی کے اسی صفحہ (۸۹) میں ہے۔ کہ جنگ صفین کے بعد جب امیر المومنین ؑ کوفہ کو واپس تشریف لائے ایک پیر مرد نے پوچھا حضرت ہم جو

اہل شام کی طرف گئے تھے کیا وہ قضا و قدر کی وجہ سے تھا۔ فرمایا
ہاں۔ جہاں جہاں تم گئے وہ قضا و قدر ہی سے تھا۔ شیخ نے کہا
خیر مجھے اس رنج و سختی پر ثواب کی امید ہے۔ فرمایا اے شیخ تمہارے
چلنے اور مقام کرنے اور لوٹنے میں برابر ثواب ہوتا رہا کیونکہ تم
ان امور میں مکرہ و مضطر نہ تھے۔ اس نے کہا جب قضا و قدر سے
وہ سب کام ہو رہے تھے تو ہمارے مضطر ہونے میں کیا کلام
فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ قضا حتمی اور قدر لازم تھی اگر ایسا ہوتا تو ثواب
و عقاب و امر و نہی وغیرہ سب باطل ہو جاتے۔ ایسا نہیں
خدا تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے انتہیٰ ملخصاً۔

مطلب یہ کہ جس طرح پیاسا مضطر ہو کر پانی کی طرف جاتا ہے
یا اکراہ کے وقت کسی کی زبردستی سے آدمی کوئی کام کرتا ہے قضا و قدر
کا ہونا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ آدمی اپنے میں اختیار کی کیفیت پاتا ہے
اور اپنے آپ کو مختار سمجھکر کام کرتا ہے جس پر ثواب و عقاب کا مدار ہے
اور جو فرمایا کہ "تفویض بھی نہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے
بندوں کے اختیاری افعال کو ان ہی کے اختیار پر نہیں چھوڑ دیا اس طور
سے کہ خدا تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے وہ اپنے اختیار سے جو چاہیں
کرلیں۔ چنانچہ کلینی صفحہ (۹۱) میں یہ روایت ہے

عن ابی جعفر و ابی عبد اللہ قال ان اللہ ارحم

بخلقہ من ان یجبر خلقہ علی الذنوب ثم یعذبہم علیہا

واللہ اعز من ان یرید امرا فلا یکون۔

یعنی خدا تعالیٰ کا یہ مقتضائے رحم نہیں کہ بندوں سے جبراً گناہ کرائے اور ان پر عذاب کرے۔ اور اس کی شان و عزت اس سے برتر ہے کہ کسی اچھے یا بُرے کام کا ارادہ کرے اور وہ وجود میں نہ آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ بندے سے کوئی بُرا کام مثلاً وجود میں آئے تو ممکن نہیں کہ وہ وجود میں نہ آئے

اور کلینی صفحہ (۹۱) میں یہ روایت ہے۔ عن ابی عبد اللہ

قال ان اللہ خلق الخلق فعلم ما ھم صائرون

الیہ و امرھم ونھاھم فما امرھم بہ

من شیٔ فقد جعل لھم السبیل الی

ترکہ ولا یکونون آخذین ولا تارکین

الا باذن اللہ۔

یعنی خدا تعالیٰ نے جو خلق کو پیدا کیا تو وہ جانتا تھا کہ کون کہاں جانے والا ہے اور انکو امر و نہی کیا جس کام کا ان کو امر کیا اس کے ترک کرنے کا بھی طریقہ ٹھیرا دیا اچھے بُرے کام کرنا یا چھوڑنا بغیر

اجازت الٰہی کے نہیں ہو سکتا انتہیٰ۔

مطلب یہ کہ دنیا میں بغیر اذن الٰہی کے نہ کوئی کام وجود میں آسکتا ہے نہ کوئی کام ترک کیا جا سکتا ہے۔ اور کلینی صفحہ (۹۱) میں یہ روایت بھی ہے۔ عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زعم ان اللہ یامر بالسوء والفحشاء فقد کذب علی اللہ ومن زعم ان الخیر والشر بغیر مشیۃ اللہ فقد اخرج اللہ من سلطانہ ومن زعم ان المعاصی بغیر قوۃ اللہ فقد کذب علی اللہ ومن کذب علی اللہ ادخلہ اللہ النار۔ یعنی جو کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ برے کام اور بیحیائی کا حکم کرتا ہے اس نے خدا پر جھوٹ کہا اور جو کہے کہ خیر و شر بغیر مشیت الٰہی کے وجود میں آتے ہیں اس نے خدا کو اس کی سلطنت سے نکالدیا۔ اور جس نے یہ کہا کہ معصیتیں بغیر قوت الٰہی کے ہوتی ہیں اس نے خدا پر جھوٹ کہا اور جس نے خدا پر جھوٹ کہا خدا اس کو دوزخ میں ڈالیگا انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اگرچہ بندی کو اختیار دیا ہے۔ مگر دراصل وہ اپنے اختیار سے وہی کام کرتا ہے جو مشیت الٰہی میں ہو

جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدائتعالیٰ کی مشیت کے مقابلہ میں بندہ اپنے اختیار سے کوئی نفع نہیں اٹھاسکتا۔ خواہ اچھا کام ہو یا بُرا پہلے مشیت الٰہی میں اس کا وجود ہوتا ہے یعنی جبتک خدائتعالیٰ نہ چاہے کوئی کچھ کام نہیں کرسکتا۔ اور ہر کام کے وقت اذن ہوتا ہے۔ کہ وہ وجود میں آئے ورنہ ممکن نہیں کہ وجود میں آسکے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ بندے کو اختیار دیا گیا ہے مگر اس سے جو کام وجود میں آتے ہیں وہی ہوتے ہیں جو خدائتعالےٰ نے اس کے لئے مقرر فرمادئے ہیں۔ مثلاً وہ مسلمان ہوگا یا کافر وغیرہ وغیرہ۔

اگر بندہ ولی بننا چاہے اور خدائتعالےٰ چاہے کہ وہ شیطان بنے تو وہ شیطان ہی بنے گا مگر کس لطف کے ساتھ کہ اپنے اختیار اور طاقت اور قدرت پر فخر و ناز کرتا ہوا۔ کیوں نہ ہو جس طرح خدائتعالیٰ نے متضاد چیزیں پیدا کی ہیں کوئی گرم کوئی سرد کوئی ثقیل کوئی خفیف اسی طرح کسی کو اچھا کسی کو بُرا کسی کو جنتی کسی کو دوزخی پیدا کیا۔

اور کلینی صفحہ (۸۷) میں یہ روایت ہے۔ عن ابی عبداللہ

انہ قال لا یکون شیئ فی الارض ولا

فی السماء الا بھذہ الخصال السبع بمشیۃ

وارادہ وقدر وقضا واذن وکتاب واجل

فمن زعم انہ یقدر علی نقض واحد فقد کفر

یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو چیز وجود میں آتی ہے سات چیزیں اس میں ضرور ہوں گی پہلی خدائے تعالیٰ کی مشیت اس سے متعلق ہوتی ہے پھر ارادہ اور اس کا اندازہ کہ وہ کیسی ہوگی پھر فیصلہ ہو جاتا ہے کہ اس طرح ہو پھر اس کے وجود کے وقت اذن ملتا ہے کہ وجود میں آئے اور لکھا جاتا ہے کہ کتنی دیر وہ اس عالم میں رہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو شخص خیال کرے کہ ہم اس میں سے کسی ایک چیز کو توڑ سکتے ہیں تو وہ کافر ہے انتہیٰ۔

دیکھئے یہ ساتوں چیزیں ہر کام سے برابر متعلق ہوتی ہیں۔ بغیر مشیت وارادے کے تو فعل ہوتا ہی نہیں پھر ہر فعل کا اندازہ بھی مقرر ہے مثلاً نماز کتنی دیر میں پڑھیں گے اور روزہ اتنی مدت تک رکھا جائیگا علی ہذا القیاس قضا و قدر وغیرہ۔ اب اگر کوئی کہے کہ انمیں سے کس چیز کو ہم توڑ سکتے ہیں مثلاً خدا کی مشیت میں گناہ کرنا ہمارا ہو بھی تو ہم نہ کریں گے تو حسب حدیث موصوف وہ کافر ہے غرضکہ جو فعل وجود میں آتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی مشیت، ارادہ، قضا و قدر

اور اذن سے وجود میں آتا ہے اور ابھی معلوم ہوا کہ گناہ بھی قوت
الٰہی سے وجود میں آتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ
خیر وشر کو بندے کے ہاتھوں پر جاری کر دیتا ہے اب کہئے
جس فعل کو خدا تعالیٰ بندے کے ہاتھ پر جاری کرتا ہے وہ فعل خدا کا مخلوق
ہوگا۔ یا بندے کا؟ اس سے تو ظاہر ہے کہ جس طرح آسمان و زمین
جن سے متعلق وہ سات چیزیں ہیں ایک مستقل مخلوق الٰہی ہیں اسیطرح
ہمارے افعال بھی مستقل مخلوق الٰہی ہیں جنسے ان ساتوں چیزوں کا تعلق
ہے فرق ہے تو صرف اتنا کہ وہ جواہر ہیں اور ہمارے افعال ہم میں
بطور اعراض مثل رنگ و بو وغیرہ کے موجود ہوتے ہیں اب اگر سمجھ میں نہ
آنیکی وجہ سے کوئی کہے کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے تو حضرت امام ابو جعفرؑ
نے اسکی نسبت خدا تعالیٰ کا کلام نقل فرما دیا۔ ویل لمن یقول کیف ذا وکیف ذا
مگر اتنا ضرور ہے کہ اچھی چیزوں کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کی جائے
اور بری چیزوں کی نسبت اپنی طرف جیسا کہ کلینی صفحہ ۸۱ میں روایت ہے عن الحسن
ابن علی الوشاعن ابی الحسن الرضی قال سئلته فقلت الله
فوض الامر الی العباد قال الله اعز من ذلك قلت
فجبرهم علی المعاصی قال الله اعدل واحكم من ذلك قلت ثم قال
قال قال الله تعالی یا ابن آدم انا اولی بحسناتك منك وانت اولی

بسیئاتک منی عملت المعاصی بقوتی التی جعلتہا فیک

یعنی حسن بن علی نے ابو الحسن رضا علیہ السلام سے پوچھا کیا خدا نے بندوں کے کام اُن ہی کے تفویض فرمائے کہا خدا کی عزت اس سے زیادہ ہے (کہ اس کے ملک میں کوئی خود مختار ہو سکے) کہا تو کیا گناہوں پر ان کو مجبور کیا فرمایا کہ خدا کا عدل اس کو مقتضی نہیں کہا پھر کیا ہے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے بندے بہتر یہ ہے کہ اپنے حسنات کی نسبت میری طرف کر اور سیأت کی نسبت اپنی طرف تو نے گناہ میری قوت سے کیا جو میں نے تجھ میں رکھی تھی انتہی شعر

تو نیکی کنی من نہ بد کردہ ام ... کہ بدررا حوالت بخود کردہ ام

اب جو قوت آدمی میں رکھی گئی اس کا بھی حال سن لیجئے۔ اور کلینی صفحہ ۹۳ میں یہ روایت بھی ہے۔ عن رجل من اھل البصرۃ قال سئلت ابا عبد اللہ عن الاستطاعۃ فقال ابو عبد اللہ اتستطیع ان تعمل مالم یکون قال لا قال فتستطیع ان تنتھی عما قد کون قال لا فقال لہ ابو عبد اللہ فمتی انت تستطیع قال لا ادری قال فقال لہ ابو عبد اللہ ان اللہ خلق خلقاً فجعل فیھم آلۃ الاستطاعۃ ثم لم یفوض الیھم فھم مستطیعون بالفعل وقت الفعل

مع الفعل اذا فعلوا ذلك الفعل فاذا لم يفعلوه فی ملكہ لم يكونوا مستطيعين ان يفعلوا فعلاً لم يفعلوه لان الله عزوجل اعز من ان يضاده فی ملكہ احدٌ قال البصری فالناس مجبورون قال لو كانوا مجبورين كانوا معذورين قال ففوض اليهم قال لا قال فما هم قال علم منهم فعلا فجعل فيهم آلة الفعل فاذا فعلوا كانوا مع الفعل مستطيعين قال البصری اشهد انه الحق وانكم اهل بيت النبوة والرسالة۔ یعنی ایک بصرے والے شخص سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہؑ سے پوچھا کہ آدمی میں کام کرنیکی جو قدرت واستطاعت ہے اس کی کیا صورت ہے فرمایا کیا تجھ سے ہو سکتا ہے کہ ایسا کام کرے جسکو خدا نہ پیدا کرے کہا نہیں فرمایا کیا تجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ ایسے کام سے باز رہے جسکو خدا پیدا کرے کہا نہیں فرمایا پھر تجھ میں استطاعت کب ہوگی کہا میں نہیں جانتا۔ فرمایا خدا تعالےٰ نے جب خلقت پیدا کی تو ان میں استطاعت کا آلہ رکھا مثلاً ہاتھ پاؤں وغیرہ پھر باوجودیکہ یہ آلہ استطاعت دیا مگر کام ان کے تفویض نہیں کیا پھر جب لوگ کوئی کام کرتے ہیں تو اس کے کرنے کے وقت انکو استطاعت اور طاقت ہوتی ہے

جب تک وہ اس کام کو کرتے ہیں اور باوجود آنکہ کے وہ کام خدا کی ملک میں نہ کریں تو یہ سمجھا جائیگا کہ اس کام کے کرنے کی انمیں استطاعت اور قوت ہی نہ تھی اس لئے کہ جب بحسب مشیت وارادۂ الٰہی ان سے وہ کام نہ ہوا اور باوجود اس کے سمجھا جائے کہ ان میں اس کی استطاعت تھی تو لازم آئیگا کہ خدا کی ملک میں اس کا ضد اور مخالف ہو سکتا ہے حالانکہ خدا تعالے اس سے بری ہے کہ کوئی اس کی ملک میں اس کا ضد ہو سکے۔ یہ بکر بصری نے کہا جب تو لوگ مجبور ٹھیر گئے فرمایا اگر مجبور ہوں تو معذور ہونا چاہیئے حالانکہ معذور نہیں کہا پھر کیا مختار ہیں۔ فرمایا یہ بھی نہیں کہا پھر کیا ہیں فرمایا علم الٰہی میں تھا کہ وہ کام کریں گے اس لئے ان میں آلۂ فعل پیدا کیا پھر اگر انہوں نے اس سے کام لیا تو جب تک اس سے وہ کام کرتے رہے ہیں استطاعت سمجھی جائیگی بصری نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی بات حق ہے اور آپ اہل بیت نبوت و رسالت سے ہیں انتہیٰ۔

دیکھئے اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ فعل کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔ ان تعمل مالم یکون اللہ وان تنتھی عما کون۔ اب کہئے کہ اہل سنت نے اگر خدا تعالیٰ کو خالق

اعمال بندہ کہا تو کیا بُرا کیا۔ الغرض اس سے ظاہر ہے کہ استطاعت آدمی میں صرف کام کرنے کے وقت ہے کوئی ذاتی قوت نہیں جو قبل وقت تھی چنانچہ کلینی صفحہ (۹۳) میں ابو عبداللہ کا ارشاد مصرح ہے۔ لیس له من الاستطاعة قلیل ولا کثیر ولکن مع الفعل والترک کان مستطیعا یعنی آدمی کو استطاعت فعل سے پہلے نہ کم ہے نہ زیادہ بلکہ اگر کام کیا تو کرنے کے وقت اور ترک کیا تو ترک کرنے کے وقت استطاعت سمجھی جائیگی۔

ان تصریحات سے ثابت ہے کہ جس وقت آدمی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو وہ کام وہی ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ کی مشیت اور قضا و قدر میں مقرر ہوتا ہے اس کو حق تعالیٰ آدمی میں پیدا کرتا ہے اور آدمی میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ ان کو ترک کر سکے۔ تو اب کہئے کہ وہ اعتراضات جو اہل سنت پر کئے جاتے ہیں وہ صرف اہل سنت ہی پر ہوں گے۔ یا اہل بیت کرام کے مذہب پر بھی رجوع کریں گے۔

کلینی صفحہ (۸۹) میں یہ روایت بھی ہے۔ عن ابی عبداللہ انه قال اسلکوا بالسعید طریق الاشقیاء حتی یقول الناس ما اشبهه بهم بل هو منهم ثم یتدارکه السعادة وقد یسلک بالشقی طریق السعداء حتی یقول الناس ما اشبهه بهم بل هو

منہم ثم یبدا رکہ الشقاوۃ ان من کتب اللہ سعیدا و ان لم

یبقی من الدنیا الا فواق ناقۃ ختم لہ بالسعادۃ۔

یعنی امام ابو عبد اللہؑ فرماتے ہیں پہلے سعیدوں کو شقیوں کا راستہ بھی چلایا جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اشقیا کے مشابہ ہے بلکہ انہیں میں سے ہے مگر آخر کار سعادت اس کو پا لیتی ہے اور کبھی شقی کو سعیدوں کا راستہ چلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ سعیدوں کے مشابہ بلکہ انہیں میں سے ہے یہاں تک کہ شقاوت ازلی اسکو پا لیتی ہے جسکو خدائے تعالےٰ نے سعید لکھا ہے انجام کار اس کا سعادت ہی پر ہوگا اگرچہ کہ بہت تھوڑا زمانہ باقی رہ جائے انتہی۔

اہل سنت جسکو تقدیر کہتے ہیں اسی کا نام ہے جس کا مفصل حال امام ابو عبد اللہؑ نے بیان فرمایا۔ کہ عمل ظاہری کا کچھ اعتبار نہیں۔ مدار سعادت و شقاوت کا تقدیر ازلی پر ہے کیوں نہ ہو حقتعالےٰ فرماتا ہے۔ ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس۔

یعنی بہت سارے آدمی اور جنّات کو ہم نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اب کہئے کہ جنکی تخلیق دوزخ ہی کے لئے ہو تو اس بدنصیب کو خالق افعال ہونے سے کیا نفع۔ رہا یہ کہ خالق افعال خیال کرنے سے

اسکو شکایت کا موقعہ نہ ملیگا۔ سو یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ جب بھی اعتراض کا موقعہ ہے کہ جب میری تخلیق ہی دوزخ کے لئے تھی تو مجھے خالق افعال ہونے سے نفع ہی کیا ہوا خصوصاً اس خیال سے تو اور بھی اعتراض کا موقع ملجائے گا۔ جو کلینی صفحہ (۹۶) میں ہے۔

عن ابی عبداللہ ع قال ان اللہ اذا ارادبعبد خیرا نکت فی قلبہ نکتۃ من نور وفتح مسامع قلبہ ووکل لہ ملکا یسددہ واذا ارادبعبد سوأ نکت فی قلبہ نکتۃ سوداء وسد مسامع قلبہ ووکل بہ شیطانا یضلہ ثم تلا ھذہ الایۃ فمن یرداللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء۔

یعنی ابو عبداللہؑ فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالے بندے کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل میں ایک نکتہ نور کا پیدا کر دیتا ہے اور اس کے دل کی سماعت کو کھول دیتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے کہ اس کو راہ راست پر لگائے رکھے اور جب کسی بندے کی برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کے دل کی سماعت بند کر دیتا ہے اور ایک شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے پھر یہ آیۃ پڑھی

جس کا یہ ترجمہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جس کی ہدایت کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ نہایت تنگ کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے انتہیٰ دیکھئے جبتک منجانب اللہ شرح صدر نہ ہو آدمی نہ ایمان لاسکتا ہی نہ عمل صالح کرسکتا ہے۔ اب اگر کافر وہی اعتراضات کرے جو اہل سنت پر کئے جاتے ہیں اور حجت پیش کرے کہ میرے دل پر سیاہ دھبہ ہو گیا تھا اور شیاطین مسلط ہو گئے تھے پھر میں کیونکر ایمان لاسکتا تھا اس کا جواب معلوم نہیں اہل عدل کیا دیں گے

کلینی صفحہ (۳۵۸) میں یہ روایت ہے کہ علی بن حسین ؑ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے اہل ایمان کے دل طینت علیین سے پیدا کئے اور کافروں کے دل سجین کی کیچڑ سے۔ اسی وجہ سے مسلمان اُس چیز کی طرف مائل ہوتے ہیں جس سے وہ پیدا کئے گئے ہیں اور کافر اُس چیز کی طرف مائل ہوتے ہیں جس سے وہ پیدا کئے گئے ہیں انتہیٰ جب اصل پیدائش ہی میں یہ اہتمام کیا گیا تو ضرور ہے کہ کل شیٔ یرجع الی اصلہ۔ کے لحاظ سے کافر کبھی علیین کی طرف رجوع نہ کرسکے۔

کلینی صفحہ (۳۵۹) میں یہ روایت ہے کہ صالح بن سہل کہتے ہیں کہ

طینت مومن از علیین و کافر از سجین ۱۲

طینت مومن متحول نمی شود

میں نے ابو عبداللہؑ سے پوچھا کہ مسلمانوں کی طینت کس چیز سے پیدا ہوئی فرمایا طینت انبیاء سے اسی وجہ سے وہ کبھی نجس نہیں ہوتی انتہی؟

اب کہئے کہ اگر کفار پوچھیں کہ ہمارا کیا قصور تھا کہ ہماری طینت ناپاک پیدا کی گئی۔ تو بقاعدہ عدل اس کا کیا جواب ؟

کلینی صفحہ (۳۶۲) میں حبیب سجستانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے سنا فرماتے تھے کہ جب آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت نکالی گئی حکم ہوا کہ ان کو دیکھو انہوں نے دیکھکر کہا الٰہی کس کثرت سے میری ذریت ہے کس لئے ان کو تو نے پیدا کیا اور ان سے کیا اقرار لینا منظور ہے ارشاد ہوا یہی کہ میری عبادت کریں اور کسی کو میرا شریک نہ قرار دیں اور میرے انبیاء پر ایمان لائیں۔ اور ان کی پیروی کریں آدم علیہ السلام نے عرض کی الٰہی میں دیکھ رہا ہوں کہ ان میں بعض بعضوں سے بزرگ ہیں اور بعضوں پر نور بہت ہے اور بعضوں پر تھوڑا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان پر کچھ نور نہیں۔ ارشاد ہوا ایسا ہی انہیں پیدا کیا تاکہ ان کی آزمائش ہو؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی الٰہی اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں ارشاد ہوا کہئے عرض کی الٰہی اگر سبکو ایک انداز سے پر ایک طبیعت اور ایک

رنگ پیدا کرتا اور سب کی عمر ایک اور سب کا رزق یکساں ہوتا تو نہ
ان میں باہمی بغض وحسد ہوتا نہ اختلاف ارشاد ہوتا تمہیں ان باتوں کا
علم نہیں ہے میں خالق علیم ہوں اپنے علم سے ان کو مختلف طور پر پیدا کیا
میری مشیت اور امر ان میں جاری ہوگا۔ اور میری تدبیر اور تقدیر کے
مطابق ان کے حالات ہوں گے میں نے جس طرح پیدا کیا۔
اس میں تبدیل نہیں ہوسکتی جن وانس کو میں نے صرف عبادت
کے لئے پیدا کیا۔ اور جنت ان لوگوں کے لئے پیدا کی جو میری
اطاعت کریں اور انبیاء کے فرمانبردار ہیں اور اس کی مجھے کچھ پروا نہیں
اور جو لوگ میری ناشکری اور انبیاء کی نافرمانی کریں ان کے لئے
دوزخ پیدا کی۔ اور اس کی مجھے کچھ پرواہ نہیں میں نے تم کو اور تمہاری
اولاد کو جو پیدا کیا اس سے میری کوئی حاجت متعلق نہ تھی صرف تمہاری
اور ان کی آزمائش مقصود ہے کہ دنیا میں کون اچھے کام کرتا ہے
اسی واسطے میں نے دنیا وآخرت اور موت اور حیات اور اطاعت
ومعصیت اور جنت ودوزخ پیدا کئے ہیں میں نے اپنی تقدیر وتدبیر میں
ارادہ کیا۔ اور میرا علم جو ان میں نافذ ہے اس سے ان کی صورتوں
اجسام، الوان، عمر، ارزاق، طاعت، اور معصیت میں اختلاف
پیدا کیا کسی کو شقی بنایا۔ اور کسی کو سعید اور کسی کو بینا اور کسی کو نابینا اور پھر مناسبت قد

دراز قامت خوبصورت یا بدصورت یا عالم یا جاہل یا غنی یا فقیر یا مطیع یا عاصی یا صحیح وغیرہ پیدا کیا اور آخر میں ارشاد ہوا۔ انا اللہ

الفعّال لما ارید لا اسئل عما افعل وانا اسئل خلقی عما هم فاعلون

یعنی میں اللہ ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں مجھ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا اور میں اپنے پیدا کئے ہوؤں سے پوچھوں گا کہ تم نے کیا کام کئے انتہیٰ ملخصاً آپ انصاف سے کہئے کہ اہل سنت جو مسئلہ عدل میں نشانہ ملامت بنائے جا رہے ہیں ان کا کیا قصور اہل بیت کرام بھی تو یہی فرما رہے ہیں۔

کلینی صفحہ (۸۰) میں ابی بصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہؑ سے پوچھا کہ کیا خدا تعالیٰ نے چاہا۔ اور ارادہ کیا اور تقدیر میں رکھا اور جاری کیا؟ فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا کیا اس کام کو دوست بھی رکھا؟ فرمایا نہیں میں نے کہا یہ کیوں کر ہو سکے کہ جس کام کے لئے ارادہ تقدیر اور قضا ہو اور دوست نہ رکھے فرمایا ہم تک تو یہی علم پہونچا ہے انتہیٰ۔

دیکھئے حضرت امام علیہ السلام نے طریقہ بتلا دیا کہ ایسے امور میں چون وچرا نہ کیا جائے اور وہی اعتقاد رہے جو سلف سے ہم تک پہنچا ہے اس معتبر روایت سے ثابت ہو گیا کہ منہاج الکرامہ

اور رسالہ فیض عام وغیرہ میں جتنے اعتراض اس مسئلہ میں عقلی طور پر پیش کئے گئے ہیں ان کا منشاء یہ ہے کہ یا تو ائمہ کے اقوال انہوں نے دیکھے نہیں یا دیکھ کر ان کو نہ مانا بخلاف اہل سنت کے کہ انہوں نے قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ کو تسلیم کرلیا۔

کلینی صفحہ (۸۷) میں عبداللہ بن سنان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ خدائے تعالیٰ بعض کاموں کا حکم کرتا ہے اور چاہتا نہیں اور بعضوں کو چاہتا ہے اور حکم نہیں کرتا۔ ابلیس کو حکم کیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے مگر چاہا یہ کہ سجدہ نہ کرے اگر چاہتا تو وہ سجدہ ضرور کرتا اور آدم علیہ السلام کو گیہوں کھانے سے منع کیا اور چاہا یہ کہ وہ کھائیں اگر نہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ کھاتے انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے سارے کام اپنے قبضۂ قدرت اور اختیار میں رکھے ہیں اس کی ملک میں کوئی خود مختاری نہیں کرسکتا۔ اس سے یہ بات معلوم کرادی گئی کہ کیسی ہی بڑی سے بڑی اور پیاری مخلوق کیوں نہ ہو خدائے تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں وہ ایسی مجبور ہے کہ سوائے وہمی اور خیالی قدرت کے اس کو واقعی قدرت کی تو بُک نہیں پہنچی اب کس کی مجال ہے

کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شرکت کا دعوےٰ کر سکے۔ شرکت کا مدار
تو قدرت ہی پر ہے۔ جس کی وجہ سے تصرف ہو سکے۔ پھر اس پر
بھی اگر کوئی قدرت میں کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک قرار دے
اور خیال کرے کہ خدا تعالیٰ نہ بھی چاہے تو آدمی اپنی قدرت اور
اختیار سے اپنے کام کر سکتا ہے تو عتاب الٰہی کا سخت اندیشہ ہے
اس لئے کہ حق تعالیٰ کو شرکت سے کمال درجے کی نفرت ہے
چنانچہ ارشاد ہے کہ ہر قسم کے گناہ ہم جس کے چاہیں گے
بخش دیں گے۔ مگر شرک کو ہرگز نہ بخشیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ
ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء
اگر ہمیں خدا تعالیٰ کے کلام اور جزا و سزا پر ایمان ہے تو ہماری عقل کا
مقتضیٰ یہ ہونا چاہیئے کہ اپنی بخشائش کی فکر کریں۔ اور جو کچھ خدا تعالیٰ
نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ اس پر ایمان لائیں۔ ہمیں اس کی ضرورت
نہیں کہ جو اعتراض کفار خدا تعالیٰ پر کریں گے۔ ان کے جواب کی
فکر کریں اور سمجھ میں نہ آئے تو کلام الٰہی پر ایمان لانے سے رک جائیں
کافروں کا اعتراض ہے تو خدا تعالیٰ پر ہے کہ بغیر قدرت دینے
کے سزا دینا ظلم ہے۔ اس کا موقعہ ان کو قیامت میں ملیگا ہمیں
کیا ضرور کہ قبل از وقت جواب دہی کے ذمہ دار بن بیٹھیں جب

وہ دوزخ میں جاتے وقت خدائے تعالٰے پر اعتراض کریں گے تو خدائے تعالٰے خود ان کو جواب دیکر ساکت کر دیگا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے فاعترفوا بذنبھم فسحقا لاصحاب السعیر اب ظاہر ہے کہ اعتراف اسی وقت ہوگا کہ دلیل مسکت اُن پر قائم ہو جائیگی۔ چنانچہ ارشاد ہے فللہ الحجۃ البالغۃ۔ غرض ہمیں ان سوال و جواب کے جھگڑوں سے کچھ کام نہیں۔ ہمارا کام اسیقدر ہے کہ جو کچھ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پہنچا دیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک اس سے ظاہر ہے کہ صرف پہنچا دینا آپ کا کام تھا۔ اس سے زیادہ آپ کے ذمہ کوئی کام نہیں چنانچہ ارشاد ہے لیس لک من الامر شیئ

کلینی صفحہ (۹۵) میں ثابت بن سعید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں لوگوں سے کیا تعلق کسی کو اپنے مذہب کیطرف نہ بلاؤ خدا کی قسم اگر تمام آسمان اور زمین کے لوگ جمع ہو کر چاہیں کہ ایک شخص کو ہدایت کریں جس کی گمراہی کا خدائے تعالٰے نے ارادہ کیا ہو تو اس کو ہدایت کرنا ہرگز ان سے نہ ہوسکیگا۔ اور اگر تمام آسمان اور زمین کے لوگ اکٹھے ہو کر ایک شخص کو گمراہ کرنا چاہیں جس کی ہدایت کا ارادہ خدائے تعالٰی نے کیا ہو اس کا گمراہ کرنا ان سے ہرگز نہ ہوسکیگا۔ اب یہ کوئی نہ کہے کہ یہ میرا

چچا یا بھائی یا بھتیجا یا ہمسایہ ہے اگر خدائے تعالےٰ کسی بندے کی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کی روح کو پاکیزہ بناتا ہے کہ اچھی بات سنتے ہی سمجھ جاتا ہے اور بُری بات سے انکار کرتا ہے۔ پھر اس کے دل میں ایک بات ایسی ڈالی جاتی ہے کہ اس کا کام پورا اور مکمل ہو جاتا ہے انتہیٰ

دیکھئے کس وضاحت سے آپ نے فرمایا کہ ہدایت اور ضلالت خدائتعالیٰ ہی کے ہاتھ ہیں یہاں تک تو فرمادیا کہ لوگونکو اپنے مذہب کی طرف بلانے کی کوئی ضرورت نہیں جسکو ہدایت ہوگی وہ خود آجائیگا۔ یہ شان ولایت تھی۔ چونکہ اولیاء اللہ کی نظر ہمیشہ صفات الٰہی پر رہا کرتی ہے اس لئے اکثر ایسے امور میں ان سے مساہلت اور مسامحت ہو جاتی ہے البتہ شان نبوت یہ ہے کہ احکام الٰہی پر نظر رہے۔ اسی لئے انبیا علیہ السلام اور ان کے اتباع ہر وقت دعوت اور تبلیغ میں مصروف رہا کئے

کلینی صفحہ (۳۸۶) میں شہاب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ فرماتے تھے کہ اگر لوگ جان لیں کہ خدائتعالیٰ نے اس مخلوق کو کیسے پیدا کیا تو پھر کسی پر کوئی ملامت نہ کریگا۔

کلینی صفحہ ۳۶۸ میں فضیل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ حقتعالیٰ جو فرمایا ہے اولئک کتب فی قلوبھم الایمان سو کیا اسمیں بندے کے فعل کو بھی کچھ دخل ہے فرمایا نہیں۔ کلینی میں ابو عبداللہ کا قول نقل کیا ہے

وھب لاھل المعصیة القوة علی معصیتھم لسبق علمہ فیھم ومنعھم

اطاقة القبول منہ فوافقوا ما سبق لھم فی علمہ ولم یقدروا

ان یاتوا حالا تنجیھم من عذابہ لان علمہ اولی بحقیقة التصدیق

وھو معنی شاء ماشاء وھو سرہ۔

یعنی اللہ تعالے نے اہل معصیت کو معصیت پر قوت دی کیونکہ علم الٰہی میں پیشتر سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی اور روک دیا ان کو حکم الٰہی کے قبول کرنے سے چنانچہ علم ازلی کے مطابق انکا عمل رہا اور ان کو اس بات پر قدرت ہی نہیں کہ ایسی حالت پیدا کریں جس سے عذاب الٰہی سے نجات حاصل ہو سکے۔ اس لئے کہ علم الٰہی کی تصدیق ہونی بہتر ہے اس سے کہ ان کو اپنی اصلاح کی قدرت ہو اور یہی معنی شاء ماشاء کے ہیں یعنی جو چاہا چاہا اس میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ سر الٰہی ہے۔ امام علیہ السلام نے اس ارشاد میں تو اس مسئلہ کا فیصلہ ہی کر دیا کہ اہل معصیت کو قدرت ہی نہیں کہ اپنی حالت میں تغیر پیدا کر سکیں۔

کلینی میں اس مسئلہ سے متعلق اور بہت سی روایتیں ہیں ہم نے جو چند روایتیں نقل کیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ خالق خیر و شر ہے اور بغیر اس کی مشیت قدرت ارادے اور تقدیر کے

بندہ اپنی خود مختاری سے کوئی کام نہیں کر سکتا اور جو اس کو اختیار ہے وہ بھی برائے نام ہے۔ مشیت ازلی میں جو کچھ اس کے لئے ٹھیرا ہے وہ اس کے خلاف سرمو نہیں کر سکتا۔ رسالہ فیض عام میں لکھا ہے کہ

حسینہ ایک لونڈی تھی جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیس ۲۰ سال رہ کر علوم دینیہ کی تکمیل کی تھی ایک بار ہارون رشید کے دربار میں اگر اس نے دعوے کیا کہ جتنے سنی علمائے بغداد میں اپنے مناظرے کیلئے جمع کئے جائیں۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف اور شافعی اور ابراہیم بن خالد عوفی وغیرہ کل علما بلوائے گئے اور مناظرہ ہوا بالآخر اس کے مقابلہ میں سب ہار گئے۔ جن مسائل میں مناظرہ ہوا ان میں ایک مسئلہ قضا و قدر اور خلق افعال بھی تھا۔ اس مسئلہ میں حسینہ نے کہا کہ اے ابراہیم تیرا عقیدہ دہریت سے خالی نہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ خود کوئی حکم کردے اور اس حکم پر راضی نہ ہو یہ باتیں تمہارے بزرگوں نے اس واسطے بنائیں ہیں کہ ان کے پیشواؤں سے کفر و زندقہ کا الزام رفع ہو جائے اے ابراہیم تعجب ہے تمہارے اعتقاد پر کہ شر اور گناہ اور فسق اور کفر سب قضا و قدر اور رضائے خدا سے جانتے ہو۔

اس میں خلط مبحث ہے ابراہیم کا عقیدہ اس نے بھی یہی بیان کیا ہے

کہ خیر و شر قضا و قدر سے ہے لیکن خدا تعالیٰ اس سے راضی نہیں
مگر الزام ہیں رضائے الٰہی بھی زیادہ کی گئی۔ حالانکہ نہ وہ سنیوں کا عقیدہ ہے
نہ ائمہ اہل بیت کا بلکہ ان تمام حضرات کا عقیدہ یہی ہے کہ خیر و شر
قضا و قدر سے ہیں اور خدا شر سے راضی نہیں۔ اب اگر شر سے قضا و قدر
متعلق ہو تو پیشواؤں پر سے الزام اٹھ جاتا ہے تو خود ائمہ کرام نے
اپنے مخالفین سے الزام کو رفع کر دیا۔ کیونکہ امام جعفر صادق کی تصریح
سے ابھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ خالق خیر و شر ہے۔

پھر جب ابراہیم نے آیات قرآنیہ مثل قل کل من عند اللہ۔ اور
قولہ تعالیٰ واللہ خالق کل شیٔ وغیرہ پیش کیں تو حسینہ
نے جواب دیا کہ ان آیات کی تفسیر اور تاویل میں نے ان
بزرگوں سے پڑھی ہے جن کے جد بزرگوار پر قرآن نازل ہوا۔ یعنی
امام جعفر صادق وغیرہ سے آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت امام جعفر صادق
اور دیگر ائمہ کرام کی تصریحات جو کلینی میں موجود ہیں ان سے تو صاف ظاہر ہے کہ آیت
خالق کل شیٔ میں کوئی تاویل نہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا خالق
خیر و شر ہونا ان حضرات کے کلام میں مصرح ہے اور حسینہ کہتی ہے
کہ کل یہاں بمعنی بعض کے ہے۔ اور حضرات شیعہ کے نزدیک
کلینی صحاح میں داخل ہے جس کی حدیث کا انکار نہیں ہو سکتا۔

اب کہیئے کہ کلینی کے مقابلہ میں حسینہ کی بات کیونکر مانی جائیگی پھر حسینہ نے کہا کہ اگر تو اے ابراہیم قل کل من عند اللہ کے ظاہر معنی پر حکم کرے تو لازم آتا ہے کہ خالق سب چیزوں کا اللہ تعالےٰ ہی ہو اور یہ مذہب ابلیس کا ہے۔ یہ سمجھے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور دیگر ائمہ کرام کے مذہب کو اس نیک بخت نے ابلیس کا مذہب قرار دیا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل بیت کرام کی دشمن تھی۔ پھر اس نے جتنے الزام قائم کئے کہ اگر خالق شر خدا تعالےٰ ہو تو ظلم اور تکلیف مالایطاق وغیرہ امور لازم آتے ہیں۔ سو انکے جوابات کے ذمہ دار صرف اہل سنت ہی نہیں بلکہ اہل بیت کرام سے پوچھنا چاہیے کا کہ ایسا مذہب آپنے کیوں اختیار فرمایا۔ ادنےٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اگر بیس سال وہ امام کی خدمت میں رہی ہوتی تو اس ضروری مسئلہ میں آپ کے اعتقاد پر ضرور مطلع ہوتی اس سے ظاہر ہے کہ اس کا یہ دعوےٰ بے اصل محض تھا بلکہ قرائن پر نظر ڈالی جائے تو ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ یہ مناظرہ ہی فرضی ہے اور جن حضرات نے اس کو بنایا وہ اپنے مذہب سے بھی واقف نہیں کیونکہ اگر واقف ہوتے تو ائمہ کرام کے مذہب کو ابلیس کا مذہب نہ لکھتے۔

یہ بحث ضمناً آگئی کلام تو اس میں تھا کہ ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ افراط و تفریط ہے۔ قدریہ کی عقلوں نے خدا تعالے کو ظلم سے بری کرنے کی غرض سے یہ تدبیر نکالی کہ وہ خالق افعال نہیں اور کہدیا کہ عالم کے ایک بڑے حصہ کا خالق نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں دوسرے عقلا نے کہا کہ مادہ سے سب کام چل جاتے ہیں اس لئے پورے عالم کا بھی خالق نہ ہو تو کیا مضائقہ چنانچہ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے جیسا کہ مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں ہم لکھ چکے ہیں اور چونکہ ان کی کتاب الکلام نہایت وقعت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اتباع کی بھی ایک جماعت بنگئی ہوگی۔ خدا کا فضل یہ ہوا کہ مولوی صاحب مسلمانوں پر احسان کر کے اپنا نام قوم مسلمانوں میں لکھواتے ہیں اگر عقل کو اور تھوڑی جولانی دیتے تو تعجب نہیں کہ اس قول کے بھی قائل ہوجاتے جسکو الکلام میں بڑی شد و مد سے نقل کرتے ہیں کہ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اس کو دنیا میں صرف نیکی، راستبازی، نیکوکاری، پیدا کرنی چاہئے تھی۔ فریب، جھوٹ، فسق و فجور، حسد، بغض، دشمنی، انتقام، بیرحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہیں ہے۔ بلکہ صرف لاآف نیچر ہے

جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم ہے انتھے۔

غرضکہ عقلی دلائل کا سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ نعوذ باللہ خدائتعالیٰ کے وجود کو بھی ماننے کی ضرورت نہ رہی۔

سوفسطائیہ جو حکماء میں ایک فرقہ ہے اس نے دیکھا کہ عقلی دلائل ہر بات پر قائم ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ضدین کے اثبات پر بھی قائم ہو گئی ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ضدین واقع میں ثابت ہوں اس لئے اُس نے کہا کہ عالم ایک بے حقیقت چیز اور خیال ہی خیال ہے پھر یہاں تک نوبت پہونچی کہ حکما نے اس خیال والے کو آگ میں ڈالا۔ جب بھی وہ یہی کہتا رہا کہ یہ بھی ایک خیال ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عقل ایک نئی بات تراشتی ہے۔ اور بہت سے عقلا اسکے قائل پیش نظر ہو جاتے ہیں پھر عقل ہی سے بہت سے عقلا اس کو رد بھی کر دیتے ہیں اور یہ بات قابل تسلیم ہے کہ حکما جنکو عقل ہی کے کمال نے اس لقب کا مستحق بنایا اُنمیں جس قدر اختلاف ہے کسی فرقہ میں نہیں اور انہیں میں ایک فرقہ سوفسطائیہ بھی ہے جسکو عقل ہی نے اس قابل بنایا کہ خود عقلا اس کو پاگل اور مجنوں سمجھتے ہیں تو کہئے کہ معمولی عقل والے جو ان عقلا کے کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی عقلیں کس قطار وشمار میں ہونگی۔

اور کس قسم کی عقل کو سلیم اور قابل اعتبار تسلیم کریں غرضکہ کوئی معیار اور
پیمانہ نہیں ہے جس سے عقل سلیم کی تعیین کی جائے اس لئے جن لوگوں
نے قرآن شریف کو خدا کا کلام مان لیا ہے ان کو بغیر اس کے
چارہ نہیں کہ عقل کی پیروی کو چھوڑ کر تمام امور میں خدا اور رسول کے
کلام کو مقتدا بنائیں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے یا عقل اس میں کوئی
خرابی پیدا کرتی ہو تو اس میں اپنی عقل کو متہم کر کے یہ سمجھ جائیں کہ
خدا کے کلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا فللہ الحجۃ البالغۃ
تاکہ ایمان بالغیب کے مستحق ہوں جسکی تعریف حق تعالے فرماتا ہے۔
اور ہدایت الٰہی اس کی رہبری کرتی ہے دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے
ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب یعنی قرآن ان لوگوں کیلئے
ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اگر عقل کی پیروی کر کے
کوئی غیب پر ایمان نہ لائے تو بحسب آیۂ موصوفہ مستحق ہدایت نہ ہوگا
ناسخ التواریخ جلد سوم کتاب الصفین صفحہ (۲۶۳) میں لکھا ہے کہ
علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ صفین میں ایک بلیغ خطبہ پڑھا جس کے
چند فقرات یہ ہیں۔ الحمد للہ الذی لوشآء ما اختلف
اثنان من ھذہ الامۃ ولا من خلقہ ولا تنازعت الامۃ فی
شیٔ من امرہ و لا جحد المفضول ذا الفضل فضلہ و قد ساقتنا

وھو لاء القوم الاقدار الخ

یعنی اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو کوئی دو شخص نہ اس امت کے اختلاف کرتے نہ اور کوئی اور نہ جھگڑا کرتی امت کسی کام میں اور نہ کوئی کم درجہ والا اپنے افضل شخص کی فضیلت کا انکار کرتا ہماری اور ان لوگوں کی تقدیر نے یہاں ہمیں ہانک لایا انتھیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ مخالفتیں وغیرہ جو ظہور میں آتی ہیں سب تقدیری امور ہیں اور جتنے تقدیری امور ہیں سب کا ظہور ضروری ہے اب کہئے کہ کہاں ہے مسئلہ عدل؟ ناسخ التواریخ جلد سوم صفحہ (۴۵۹) میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ ہم میں اور اہل شام میں جو واقعات گذرے سب تقدیر سے تھے یا قضاء اور قدر آلہی کو اس میں کوئی دخل نہیں فرمایا۔ والذی خلق الحبۃ وبری النسمۃ ما وطئنا ولا ھبطنا وادیا ولا علونا تلعۃ الا بقضاء من اللہ والقدر یعنی خدا کی قسم ہے کہ جس زمین پر ہمارا گذر ہوا وہ سب صرف قضا و قدر سے تھا۔

اور اس میں لکھا ہے کہ کسی نے قضاء و قدر کا مسئلہ امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا فرمایا۔ لاتقولوا وکلھم اللہ علی انفسھم فتوھنوہ ولا تقولوا جبرھم اللہ علی المعاصی فتظلموہ ولکن قولوا

الخیر بتوفیق اللہ والشر بخذلان اللہ وکل سابق فی علم اللہ۔
یعنی یہ مت کہو کہ خدا نے بندوں کے کاموں کو ان کے اختیار پر
چھوڑ دیا کیونکہ اس میں خدا کی توہین ہے اور یہ بھی نہ کہو کہ اپنے بندوں
کو گناہوں پر مجبور کیا کیونکہ اس سے خدا کی طرف ظلم کی نسبت ہوتی ہے
بلکہ یوں کہو کہ اچھے کام خدا کی توفیق سے اور بُرے کام اس کے
خذلان سے ہوتے ہیں اور سب خدا کے علم میں پہلے سے
موجود ہی تھے۔

دیکھئے اس میں صاف ارشاد ہے کہ اگر بندہ مختار قرار دیا جائے
تو خدا تعالیٰ کی توہین ہو گی کیونکہ اس کی خالقیت میں وہ اسکا ہمسر
بنا دیا گیا۔

اور اسی کے صفحہ (۹۸۴) میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا قول
نقل کیا ہے۔ کلما زاد عقل الرجل قوی ایمانہ بالقدر۔ یعنی جس قدر
آدمی کی عقل زیادہ ہو گی قضا اور قدر پر اس کا ایمان قوی ہو گا۔
مطلب یہ کہ جتنے اعتراض مسئلہ قضا و قدر پر ہوتے ہیں
انکا منشا کم فہمی ہے جس کی عقل کامل ہو اس کو اس مسئلہ کا پورا
یقین ہے۔

نہج البلاغۃ جلد اول صفحہ (۷۶) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا

قول نقل کیا ہے۔ انما صدرت الامور عن مشیتہ۔ یعنی جتنے امور صادر ہوئے سب خدا تعالیٰ کی مشیت سے ہوئے۔ اور اسی میں لکھا ہے۔ وسئل عن القدر فقال طریق مظلم فلا تسلکوہ وبحر عمیق فلا تلجوہ وسر اللہ فلا تتکلفوہ۔ یعنی کسی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مسئلہ قدر کا حال پوچھا فرمایا وہ ایک اندھیری راہ ہے۔ اس میں قدم مت رکھو اور بحر عمیق ہے اس میں مت گرو اور وہ خدا تعالیٰ کا سر ہے اسکے سمجھنے کی تکلیف مت اٹھاو اُٹھائے۔

مطلب یہ کہ ہر شخص اسکو سمجھ نہیں سکتا اور نافہمی سے اعتراض پیدا کرتا ہے اس لئے اس میں غور و فکر ہی نہ کرو۔

سبحان اللہ کیا سچا ارشاد ہے جن لوگوں نے اس ارشاد کو پیش نظر نہ رکھا وہ ایسے بہک گئے کہ راہ گم کر دی اور ایسے ڈوبے کہ پھر نکل نہ سکے چنانچہ منہاج الکرامہ میں سنیوں پر بہت سے اعتراض کر دئے کہ وہ قضا و قدر کے قائل ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ خدا بڑا ظالم ہے کہ لوگوں کو تکلیف مالایطاق دیتا ہے اور انبیاء کا بھیجنا بھی فضول ثابت ہوتا ہے۔ اور اس پر ایک حکایت بھی لکھدی کہ ابو حنیفہ نے امام کاظم سے ان کے لڑکپن کے زمانہ میں پوچھا کہ معصیت کس سے ہے

فرمایا کہ اگر خدا کی طرف سے ہو تو عدل کے خلاف ہے اور خدا اور بندہ دونوں کی طرف سے ہو تو بندہ خدا کا شریک ٹھیرا اس سے ثابت ہے کہ وہ فقط بندے ہی کا فعل ہے جس سے وہ مستحق ثواب وعقاب ہو سکتا ہے۔ ابو حنیفہ رح نے اس پر آپ کی تعریف میں کہا ذریتہ بعضھا من بعض۔ انتھے۔

دیکھئے علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے صراحۃ ثابت ہے۔ کہ بندہ مختار سمجھا جائے تو خدا تعالے کی توہین ہو گی تو کیا باوجود اس ارشاد کے ائمہ اطہار کا معتقد یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضرت امام کاظم رحمۃ اللہ علیہ نے خدا تعالے کی توہین نعوذ باللہ کی ہو گی یا لڑکپن میں آپکو اس توہین کا الہام ہوا ہو گا اگر یہ الہام تسلیم کیا جائے تو علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت کیا کہا جائے غرضکہ ان روایات کے دیکھنے کے بعد ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ مسئلہ عدل میں جس قدر روایتیں حضرات شیعہ نقل کرتے ہیں وہ موضوع ہیں۔ اور جتنے عقلی اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ منشا ان کا کم فہمی ہے اگر عقل کامل ہو تو کوئی اعتراض خیال میں نہ آئے۔

غرضکہ قدریہ بندے کو فاعل مختار اور اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں

اور جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ مجبور محض ہے جس طرح لکڑی پتھر کو قدرت
نہیں اسی طرح بندے کو بھی قدرت نہیں اہل سنت والجماعت نے
دیکھا کہ بندے کو عمل کرنیکا حکم ہے اور جزا و سزا اعمال کا نتیجہ ہے اور
بیسیوں آیتوں اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ خدا تعالی
تمام اشیاء کا خالق ہے اسلئے وہ دونوں نصوص دُو قسم پر ایمان لاکر
اس بات کے قائل ہو گئے کہ بندہ کاسب اعمال ہے خالق نہیں

چنانچہ انکے ہاں یہ قول مشہور ہے۔ لاجبر ولاقدر ولکن الامر بین بین
جیساکہ علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے بھی یہی ثابت ہے ان کے
مذہب کا ماحصل یہ ہے کہ جس کے اعضاء صحیح وسالم ہوں اور اس کا
ارادہ کسی فعل کے ساتھ متعلق ہو جائے تو اس فعل کو خدا تعالی اس
میں پیدا کرتا ہے۔ خواہ وہ اس سے راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ ارشاد ہے

کلاًّ نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظوراً ۱۷
یعنی اچھے بُرے سب کو ہم مدد دیتے ہیں عطاء الٰہی کو کوئی روک نہیں
غرضکہ مذہب اہل سنت متوسط اور افراط و تفریط سے بری ہے۔
شیعہ اور بعضے ائمہ اطہار کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ ان کو مثل انبیاء علیہم السلام
کے معصوم سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض تو ان کو انبیا سمجھتے ہیں جیساکہ
شرح مواقف جلد سوم صفحہ (۲۸۷) میں لکھا ہے اور بعض اس سے

بھی ترقی کر کے قائل ہو گئے کہ حق تعالیٰ ان میں حلول کیا تھا جیسا کہ شرح مواقف صفحہ (۲۵) میں ہے۔ اور خوارج نے انکی توہین میں یہاں تک غلو کیا کہ تکفیر کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت سے خارج کر دیا۔ نعوذ باللہ من ذالک اہل سنت باتباع قرآن وحدیث ان حضرات کے درجے کو انبیا کے درجے سے کم اور غیر معصوم سمجھتے ہیں۔ لیکن سادات کرام اور واجب الاحترام جانتے ہیں غرضکہ خیر الامور اوسطہا انہیں کے مذہب پر صادق آتا ہے الحاصل ادنیٰ تامل سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ابن سبا کو منظور تھا کہ مسلمانوں میں مخالفت قائم کرے اور علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت کرام کی محبت کو دام تزویر بنائے تو اس کو یہ ضرورت ہوئی کہ خلفائے ثلثہ کی توہین کرے اور احادیث و واقعات تراشے اور دیکھا کہ تمام صحابہ بلکہ خود علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو علی کرم اللہ وجہہ کی طرف تو تقیہ کی نسبت کی اور کل صحابہ کی تکفیر ہی کر دی اور اسی کے مناسب روایتیں تراشیں اور خوارج چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دشمن تھے اس لئے ان کے مقابلہ میں انہوں نے بھی اپنے مفید مدعا حدیثیں اور واقعات تراش لئے۔ اور طرفین سے خوب سب وشتم ہوئی اور ہو رہی ہے اہل سنت والجماعت کو

چونکہ طرفین سے اعتقاد ہے اور کل صحابہ کے ممنون احسان ہیں اسلئے
کہ دین جو ہم تک پہونچا ان ہی حضرات کے واسطے سے پہونچا۔
اس لئے نہ صحابہ کی تکفیر کی انہیں ضرورت ہوئی نہ خلفائے راشدین
کی توہین کی۔ اسی وجہ سے ان حضرات کی فضیلت میں جتنی حدیثیں
وارد ہیں ان کو نہایت شوق سے نقل کرتے ہیں اور جو جو خصوصیات
ہر صحابی کی احادیث میں وارد ہیں ان کو بصدق دل قبول کرتے ہیں

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام پر اس حصہ کو
ختم کردیں اگر خدا چاہا تو آئندہ بمقتضائے ضرورت دوسرے اسلامی
اہم معاملات پر بحث کریں گے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب
آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ
سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین فقط

باب تمت بالخیر

بفضلہ تعالیٰ ۱۶ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۳۲ ہجری باتمام رسید

صحتنامہ مقاصد الاسلام حصہ ششم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۹	ناسخ التواریخ	ناسخ التواریخ مطبوعہ نولکشور
۶	۷	نہج البلاغہ	نہج البلاغہ مطبوعہ بمبئی
۷	۱۲	فتنہ	فتنہ
۱۴	۱۱	بہیہق	بیہق
۳۹	۱۲	بعدیین بے سوجہ گمی	بعدمیں سوجہ گئی
۵۱	۶	احجاد	امجاد
۶۹	۱۴	موسی	موسیٰ کاظم ؑ
۷۳	۹	خدااسے	خداسے
۷۸	۱۵	ولاتیتا	ولاتیتنا
۹۴	۱۲	اولیاالله میں	اولیاء اللہ میں
۹۵	۱۲	اسی صفحہ	اسی کے صفحہ
۹۶	۱	〃	〃
〃	۵	〃	〃
〃	۹	〃	〃
〃	۱۳	〃	〃
〃	۱۷	〃	〃
۹۷	۱۱	اسکی سعنی	اسکے معنی
۱۰۹	۱۲	فریقوق	فرقوں
۱۲۶	۸	کامیانی	کامیابی
۱۳۵	۱۲	دبا	دبایا
۱۳۹	۱۲	(بداہت)	(بداہت)
۱۴۲	۱	الذین	الذین
۱۴۳	۱۲	الذین	الذین
۱۴۶	۱۷	یادلاتے	یاددلاتے
۱۴۸	۱۲	یہ سمجھاجائے	یہ نہ سمجھا جائے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۱	۲	ہی ہر	ہی پر
۱۶۴	۱۲	منہاج الستہ	منہاج السنہ
۱۶۹	۱	یعقلا!	عقلا ؟
۱۷۴	۱۵	غلا	غلا
۱۷۹	۱	نوجہ	نوحہ
۱۸۹	۷	نگران سے محبت	نگران سے کوئی مسلمان محبت
〃	۱۴	قیمی	یحیبی
۱۹۴	۱۳	پادسے	نبادسے
۲۰۱	۱۴	احادیت	احادیث
۲۰۶	۱۷	انکو	اسکو
۲۰۹	۲	جس	جس سے
۲۲۵	〃	حدتنا	حدثنا
۲۲۷	۱	کہا میں نے کہا	میں نے کہا
۲۳۲	۳	وہ جو لوگ	وہ لوگ
۲۴۳	۱۵	جس اقدر	جسقدر
۲۶۴	۱	شبلی صاحب نے منہاج الکرامہ	شبلی صاحب نے
〃	〃	میں لکہا ہے۔	لکہا ہے۔
۲۶۵	۱۴	بین من	بین بین
۲۶۸	۵	بابسوء	باسوء
۲۷۷	〃	نکمش	نکمت
۲۸۵	۲	ہاتہہ ہیں	ہاتہہ میں
۲۸۹	۱۷	چاہیے کا کہ	چاہئیے کہ
۲۹۱	〃	ایک عقل	ہر ایک کی عقل
۲۹۵	۱۷	زمابہ نہ میں	زمانہ میں

مرتبہ سید محمد تقی حسینی